

آن سیریز

کائنات کون



عمرآن سیریز

قائل کون

مصنف بہ
نفرِ صفی

۷/۵۰
سات روپے چاس سے

قیمت

ادارہ

ایوب اکبر می پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ لیاقت آباد کراچی ۱۹

اس ناول کے جملہ حقوق بنام مصنف (سیچو قمر شیخ) محفوظ ہیں ہر ذی
یا کئی کسی بھی طور پر نقل کرنے ترجمہ کرنے پر وہ فلم پر لانے ایسی یا ٹی وی
ڈرامے میں استعمال کرنے یا کسی اور طریقے پر استعمال کرنے کے لئے
مصنف (سیچو قمر شیخ) کی تحریری اجازت لینا ضروری ہے ورنہ
قانونی چارہ چوتی کی جاتے گی اور ہر جرم خیمہ کے وہ ذمے دار ہونگے۔

○
اس ناول کے نام مقام کردار افراد واقعات اور تشبیہ دی جانیاں
چیزیں فرضی ہیں کسی سے مطابقت محض اتفاقیہ ہے جس کے لئے مصنف
پر نثر پبلشر یا ادارہ ذمے دار نہیں۔

○
تمام امور میں استحقاق کا حق صرف کراچی صوبہ سندھ کی عدالتوں
کو حاصل ہوگا۔

○
فضلی سنز آف سٹ پریس کراچی میں چھپ کر شائع ہوئی۔

○
خط و کتابت وارڈز پریس کراچی

ایوب اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ یاقوت آباد کراچی ۱۹

پیشِ لفظ

قاتلہ کو نہ اپنے اندر بے شمار دلچسپیاں لے کر سامنے
آیا ہے۔ عمر آٹھ سیریز کے ناولوں میں یہ ایک یادگار ناول ثابت
ہوگا۔

یہ ایک ایسے ذہین اور شاطر مجرم کی کہانی ہے جسکے ساتھی
انسان ہی نہیں جانور بھی تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو کس طرح سے
ٹھکانے لگواتا ہے آپ پڑھ کر اچھل اچھل پڑیں گے۔ سنسنی اور
سیس پنس کی نئی دنیا اچھوتی کہانی۔ جس میں سس پنس بھی ہے
اور ایکشن بھی ہنگامے بھی ہیں اور قہقہے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ادارہ

نغمہ صفتی کی عمر آن سیریز کے نئے شاہکار

اسمگر درندہ

پراسرار ایڈ ونچر

قاتل کون

احمق پجاری

انتقام کی آگ

ناچتے شعلے

عمر آنو سیریز میں نغمہ صفتی کے حیرت انگیز پراسرار اور ایکشن سے بھرپور ناول
آفسٹ کی نکھاتی چھپاؤ۔ آٹھ رنگوں کے حسین ترین سرورق
آج ہی طلب کیجئے
ہم سے ملو سکتے ہیں

ایوب ایکڈمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ قیامت آباد کراچی ۱۹

ایس قریشی کے اور سامنے کے صفحے پر دیتے گئے سارے
 نادلو کراچی بک ڈپو - ۲۸ - اردو بازار کراچی سے
 ملو سکتے ہیں

عمران اگر پھیل کر قریب کھڑی ہوئی کار کی چھت سے دوسری طرف
 چھلانگ نہ لگا دیتا تو اس پر چھپنے والے الشیشین کتے نے دیوچ ہی لیا ہوتا
 اسے اپنی طرف چھپتے دیکھ کر عمران کو کسی سرس کے پھر تیلے آدمی کی طرح
 اپنی پھرتی کا مظاہرہ کرنا پڑا تھا۔
 کتا اپنے ہی زور میں بری طرح کار سے ٹکرایا۔ اور اس کی ضرب
 سے بھونکنے لگا۔ پھر تیزی سے اس طرف دیکھا جہاں عمران کھڑا اپنے کپڑے
 جھاڑ رہا تھا۔ وہ پھر چھپا مگر عمران اس سے پہلے ہی کار کی چھت پر چڑھ
 چکا تھا۔ کتا غصہ بنا کہ انداز میں چھت پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا
 مگر ناکام رہا۔ دفعتاً وہ مڑا پھر تحفوری دور جا کر بیٹا اور وہیں سے کار
 کی چھت پر چھلانگ لگا دی لیکن عمران اب بھی اس کی دسترس سے باہر
 تھا۔ وہ قبل ہی کار کی پھلی طرف پھیل چکا تھا۔
 کتا کار کی چھت سے پھسلنا ہوا دوسری طرف جا کر اور پھر بھونکنے
 لگا۔ اس وقت اس کا چہرہ کسی رحم کھائے ہوئے شیر کی طرح بھیجک
 رہا تھا۔ انداز میں وحشت بھی چھلکنے لگی تھی۔

عمران بڑی تیز لگا ہوں سے مکتے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کار سے دور جا کھڑا ہوا۔ ایک بیک کتا پھر اس کی طرف جھپٹا مگر عمران اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔ اور کتا اپنے جھونک میں دوڑ جاگرا۔ مگر گرتے ہی حیرت انگیز طور پر وہ پھر اٹھا اور پلٹ کر عمران پر حملہ کر دیا۔ مگر اس بار بھی وار خالی گیا۔

کتا جھپٹتا رہا اور عمران وار خالی کرتا رہا۔ مگر اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ جیسے وہ سچویشن سمجھنے میں تاہر رہا ہو وہاں لوگوں کا کافی ہجوم ہو گیا تھا۔ وہ سب بکتے کو جھگڑنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کی ایک سی بھبکی میں پیچھے ہٹ جاتے۔

اس بار جیسے ہی مکتے نے اس پر حملہ کیا۔ عمران نہ صرف پیچھے ہٹا بلکہ ایک بھر پور لڑائی بھی اس کی کمر پر رسید کر دی۔ ٹھیک اسی وقت ایک تیز رفتار بس ادھر سے گزری۔ اور عمران اس پر چڑھ گیا۔ اس مصیبت سے نجات کافی اچال یہی طریقہ اسکی سمجھ میں آیا تھا۔ کتے کے انداز سے وہ بخوبی سمجھ چکا تھا کہ اس کی نیت کیلئے۔ نوکیلے دانتوں میں یقیناً کسی قسم کا زہر ہو سکتا تھا جس کی ہلکی سی خراش بھی اسے موت کی تیند سلا سکتی تھی۔

مگر وہ کتا پاگل تو نہیں تھا۔ بلکہ ترسیت یافتہ لگتا تھا۔ مگر اس پر حملہ کرنے کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔ عمران نے سوچا۔ پھر سر جھٹک کر یہ خیال نکال دیا۔ شہر میں اس کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

اچانک بس رگ گئی۔ اور عمران اترنے کے لئے پلٹا۔ مگر اسے بری طرح چونکنا پڑا۔ بس کے گیٹ پر کتا زبان نکالے اترنے والی سوار یوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے بس میں چڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ بس چلتے ہی وہ بھی دوڑ پڑا۔ اگلے اسٹاپ پر وہ پھر گیٹ پر کھڑا ہوا سوار یوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ بس کے دوبارہ روانہ ہوتے ہی وہ دوسری طرف بھاگ نکلا۔ عمران دیکھ رہا تھا کہ وہ مشرق کی جانب گیا ہے۔

اس نے ایک انگڑائی لی اور جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔ پھر اس طرح لٹنے والے اسٹاپ کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے اسے اترنے کی بہت جلدی تھی ہو۔ اسٹاپ بھی آگیا۔ اور وہ اطمینان سے نیچے اتر آیا۔ مگر پھر اسے جلد ہی دوبارہ اوپر چڑھنا پڑا۔ بس کے پیچھے ایک ہی نہیں بلکہ تین تین کتے دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ بس کے چلتے ہی عمران نے دیکھا کہ وہ تینوں کتے بس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور بڑبڑانے لگا۔ ”مقرر“ ایسا ایسا۔ کتوں نے گھبراؤ شروع کر دیا۔ اگلے بس اسٹاپ پر ایک شخص کو چڑھنے دیکھ کر عمران کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ پھر جیسے ہی اس شخص کی نگاہیں عمران پر پڑیں۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ مگر عمران نے اسے مزید حیرت کا موقع نہیں دیا۔ وہ فوراً ہی قریب آیا اور اس شخص کو کچھ سمجھانے لگا۔ بس کے رکتے ہی وہ شخص اتر گیا۔ بس پھر چلی پڑی اور عمران شیشوں کے عقب سے دوڑتے ہوئے کتوں کو دیکھتا رہا۔

اٹھ دس اسٹاپ گزر گئے مگر کتوں نے پیچھا نہیں چھوڑا۔
 ایک بیک کتوں کے پیچھے ایک جیب نے سراپا بھرا۔ وہ کتوں کے پیچھے
 دوڑتی رہی۔ عمران کی آنکھوں میں شرارت آمیز لہرا بھری پھر معدوم
 ہو گئی۔

ایک موٹر پر بس آہستہ ہوئی۔ ٹھیک اسی وقت جیب بس کے
 گیٹ کے ساتھ چلنے لگی۔ اس وقت بس اور جیب میں بہ مختل آدھے
 فٹ کا فاصلہ تھا۔

لیکا ایک عمران نے چھلانگ لگائی اور جیب میں کود گیا۔ اس کے
 کودتے ہی جیب کی رفتار تیز ہو گئی۔ بس کے مسافر بڑی حیرت سے
 اس جیب کو دیکھ رہے تھے۔

کتوں نے بھی شاید عمران کو چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا۔ اسی لئے اب
 وہ بس کو چھوڑ کر جیب کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

”شہری حدود سے باہر چلیو،“ عمران کتوں کی طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔
 اور جیب کا رخ بدل گیا۔ اب وہ ایک ایسی سڑک پر دوڑ رہی
 تھی جو نہ صرف سنسان تھی بلکہ کسی حد تک کچی بھی تھی۔ جیب کی رفتار
 بہت تیز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کتے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

”ریو الو رہے تمہارے پاس۔“ اس نے جیب چلانے والے سے
 پوچھا۔

”جی ہاں۔! وہ بولا۔ پھر جیب سے ریو الو نکال کر عمران کی

طرف بڑھتا ہوا ہولا۔ یہ کیجئے۔“

”ہوں،“ عمران نے ریوالور لیکر کہا۔ ”زقار ہلکی کر دو۔“
 زقار ہلکی کر دی گئی۔ اور آہستہ آہستہ کتے کے قریب آتے
 گئے۔ عمران کینہ تو زلفروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ کتے اور قریب
 آتے گئے۔ پھر ایک نے جیب پر جھلانگ لگائی۔ اور فوراً ہی عمران کے ریوالور
 سے شعلہ نکلا۔ کتا غرایا اور لہر کر زمین پر آگرا۔ پھر دوسرے کتے نے
 جھلانگ لگائی اور عمران کی گولی کا نشانہ بن کر زمین پر تر پڑنے لگا۔
 تیسرا کتا بغیر جھپٹے دوسری طرف بھاگ نکلا۔ عمران کے ریوالور سے شعلہ نکلا
 مگر اس وقت تک کتا کھیتوں میں غائب ہو چکا تھا۔ جیب چلانے والے
 نے تیزی سے جیب گھما کر کھیتوں کی طرف لے جانا چاہی مگر عمران نے
 اسے روک دیا۔

اب وہ دونوں کتوں کی لاشوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے
 تھے۔ عمران نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسے وہیں چھوڑ کر واپس
 جیب کی جانب چل پڑا۔

”کیا ان کو ہمیں چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔“

”ہاں۔“ عمران نے بغیر مڑے جواب دیا۔

جیب پھر شہر کی جانب دوڑنے لگی تھی۔

۔۔۔۔۔

0

جس وقت عمران فیاض کے آفس میں داخل ہوا، فیاض کسی انسپکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ عمران کو دیکھتے ہی اس نے انسپکٹر کو باہر بھیج دیا۔
عمران ایک صدف پر دھنس گیا۔

فیاض اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ عمران کا چہرہ کسی اداس لکڑے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔ البتہ آنکھوں میں غصہ کے آثار موجود تھے۔
”حیرت۔“ فیاض نے پوچھا۔

عمران پھر کچھ نہ بولا۔ البتہ اس کا چہرہ مزید غصیناک ہو چلا تھا۔
بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے فیاض نے مزید کچھ کہا تو آنسو رکنہ سکیں گے
فیاض نے حیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر بڑے نرم لہجہ میں بولا۔

”کیا بات ہے عمران۔ تم کچھ اداس لگ رہے ہو۔“ مگر پھر اسے جلد ہی سنبھلنا پڑا تھا۔ عمران کسی بوہ کی طرح پھٹ پڑا تھا۔ ”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوئے۔ ڈیڈی ٹھیک کہتے تھے کہ فیاض تمہیں کہیں کا نہیں رکھے گا۔ وہ ٹھیک نکلنا۔“

”میں سمجھا نہیں۔“ فیاض پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔
”ہاں ہاں تم کیوں سمجھو گے۔“ عمران کا لہجہ بدستور وہی رہا۔ مگر خود

”تو صفائی لگاتے ہو اور مجھے خبر میں سے اٹھا کر ان کو میرا دشمن بنا دیتے ہو،“
 ”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“ فیاض الجھن زدہ لہجہ میں بولا۔

پھر عمران نے مختصر طور پر کتوں والا قصہ سنایا۔ ”فیاض کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے عمران کی بکواس پر ذرہ برابر یقین نہ ہو۔“
 ”جب تمہارے ہاتھ میں کوئی کیس نہیں ہوتا تو تم اسی طرح دوسروں کا وقت زیادہ کرتے پھرتے ہو۔“ فیاض نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

”ہائیں۔ اے، عمران آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔ ”اے میں پوچھتا ہوں کہ میں تمہارے واسطے اپنی جان پر کھیل جاؤں اور تم میری خاطر اپنا ذرا سا وقت بھی زیادہ نہیں کر سکتے۔“

”لیکن میں تمہاری بات کا کیسے یقین کر لوں کہ کتنے اتنی دور تک تمہارا تعاقب کرتے رہے۔“

”کتنے اپنی زبان کر چکے ہیں ورنہ وہ بہترین گواہ ثابت ہوتے۔“

”کیا مطلب۔“

”مطلب شاہراہِ بابر پر پڑی ہوئی دو کتوں کی لاشوں کے متعلق ہی ہو سکتا ہے۔“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

فیاض چند منٹ تک اسے گھورتا رہا۔ پھر سر کو خبش دیکر اٹھا اور فون کرنے لگا۔

نصف گھنٹے کے بعد دو سب سپر کتوں کی لاشیں لے آئے۔ فیاض جھک کر انہیں بغور دیکھنے لگا۔ پھر واپس آکر بولا۔ ”ممكن ہے کہ یہ کسی

کے پالتو ہیں اور اچانک غیر ارادی طور پر تم پر حملہ کر دیا ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ کسی کی سازش ہی ہو۔

”سو پر فیاض تم اتنے سمجھدار کب سے ہو گئے۔“

”کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا ”میں نہیں سمجھتا تھا کہ مجھ پر

قاتلانہ حملہ کی خبر تم سکون والہ جینان سے سنو گے۔“

”اوہ۔“ فیاض مقصربانہ انداز میں اسی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”تم غلط سمجھے عمران۔ میں واقعی ایسا تک اسے ایک شاندار گپ سمجھ رہا تھا۔ مگر اب۔ کیا تمہیں کتوں کے مالک کے متعلق آگاہی چاہیے۔“

”یقیناً۔“ عمران نے کہا اور قدم بڑھاتا ہوا بولا ”کل تک

مجھے کتوں کے متعلق معلومات حاصل ہو جاتا چاہیے۔“

☆ ☆ ☆

محکمہ مراغہ سازی کا کیپٹن فیاض عمران کی ساتی ہوئی کہانی کے متعلق

غور کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کتوں کا حملہ واقعی کسی سازش کا

نتیجہ تھا تو یقیناً عمران کی جان خطرے میں ہے۔ اتنی بات تو وہ خود بھی سمجھتا

تھا کہ عمران کے لالعداد دشمن ہو گئے ہیں۔ لہذا ہو سکتا ہے کسی پرانے دل

جلے نے اسے ختم کرنے کی ٹھانی ہو۔ کتے سے کاٹنے کے بعد مر جانا ایک

عام سی بات ہے ایسی صورت میں عمران کی موت کو صرف ایک حادثہ

قرار دیا جاتا۔ قتل کی نوعیت سامنے نہ آتی۔

اس نے گھڑی دیکھی اور جھنجھلا کر رہ گیا۔ اسے اس رپورٹ کا انتظار تھا جس میں شہر کے ان آدمیوں کے متعلق معلومات تھیں جو کہ ہسٹون کو تربیت دیتے تھے۔

اس وقت وہ اپنے آفس میں رپورٹ کا ہی منتظر تھا۔ کچھ ہی دیر بعد رپورٹ بھی آ گئی۔ رپورٹ کے مطابق شہر میں صرف چار پانچ ہی ایسے اشخاص تھے جو کتوں کو تربیت دینے کے ماہر تھے۔ ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو کتوں کو تربیت دیکر سڑکس میں بھینٹا تھا۔ قیاض نے سب سے پہلے اسی سے ملنا مناسب سمجھا۔ وہ شخص اپنے مکان پر ہی ملا۔ قیاض کو دیکھ کر وہ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

”کیا مورس تمہارا ہی نام ہے؟“ قیاض اسکی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
 ”کیوں؟“ جواب دینے کی بجائے وہ شخص کسی کٹھنے کٹے کی طرح غرایا۔
 ”یکومت! جو کچھ پوچھا جا رہا ہے صرف اس کا جواب دو،“ قیاض غرایا۔
 ایسے موقعوں پر قیاض ہمیشہ اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے اکثر لوگ اس سے دوران گفتگو مرعوب ہو جاتے تھے۔

”ہاں! مورس میرا ہی نام ہے۔“ اس نے منہ موڑ کر جواب دیا۔
 ”نگر میں تمہارے کتے تمہیں سدھار سکتا۔“

”تم کنٹوں کو کیسے تربیت دے رہے ہو۔“ فیاض اس کی بات
نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

”بچپن سے کنٹوں میں ہی پلا بڑھا ہوں۔“

”کیا مطلب۔؟“

”بچپن کا مطلب تباؤں یا کنٹوں کا۔؟“

دفعۃً فیاض نے جیب سے اپنا ورننگ کارڈ نکالا اور مورس کی
طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”دوران گفتگو احتیاط سے کام لو۔“

مورس کچھ نہ بولا۔ مگر اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اس کی نظر
کیپٹن فیاض اب بھی کچھ وقعت نہیں رکھتا ہو۔

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“

”یہ سادہ اخلاقی پیشہ ہے۔“ اس نے بیزار سی جواب دیا۔ پھر بولا۔

”مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر اس قسم کی معلومات کس سلسلہ میں ہو رہی ہے۔؟“

فیاض نے کچھ بولنا چاہا۔ مگر وہ رک گیا۔ پھر ایک ایک آگے بڑھ کر
اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”میں ابھی سب کچھ بتائے دیتا ہوں،
مگر میری چند باتوں کا سوچ سمجھ کر جواب دو۔“

”تشریف رکھیے۔“ مورس نے پہلی بار اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ اور
سامنے رکھی ہوئی گمرسی پر خود بھی بیٹھ گیا۔

”شکریہ!“ فیاض بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”تمہارے پاس زیر تربیت
کنٹے کتنے ہیں۔“

”چار۔“

”ہوں۔“ قیاض کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”میں پولیس کیلئے چند کتے درکار ہیں۔ کیا تم کتوں کو ایسی بھی تربیت دے سکتے ہو کہ اگر ہم چاہیں تو وہ ہمارے اشارے پر کسی پر حملہ کر دیں۔“

”نہیں۔“ مورس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں صرف کتوں کو سرکسی کر تبا کی تربیت دلانے میں ماہر ہوں۔ جاسوسی کی تربیت کے لئے آپ کو حیدر سے ملنا ہو گا۔“

”حیدر۔!“

”ہاں! وہ ایک ماہر ہے۔ کتوں کی تربیت میں اسے ایک ملکہ حاصل ہے۔ مگر وہ بھی حملہ کرنے والی تربیت ہمیں دے سکتا۔“ پھر اس نے قیاض کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ”در اصل حملہ کرنے والے کتے ایک خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایسے کتوں کو تربیت دینے والا تو اس شہر میں کوئی نہیں ہے۔“

کافی دیر تک کتوں کے متعلق گفتگو کرتے کے باوجود قیاض کوئی کارآمد بات حاصل نہ کر سکا۔ پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔ حیدر سے بھی ملاقات کرنے کے بعد عقدہ حل نہ ہو سکا۔ ایک ایک کر کے رپورٹ کے مطابق وہ پانچوں آدمیوں سے ملا۔ مگر ناکامی ہی ہوئی۔

عمران اپنے قلیٹ میں داخل ہوتے ہی چلا پڑا۔
 ”مرگیا... ہائے۔ ارے کوئی ہے۔؟“ سلیمان۔
 سلیمان بھاگتا ہوا آیا اور عمران کو ٹانگ پکڑے دیکھ کر حیران رہ
 گیا۔

”کیا ہوا سرکار۔؟“
 ”مرگیا سلیمان۔“
 ”مگر میں تو زندہ ہوں۔“
 ”ابے میں مر گیا۔“ عمران کہہ رہا۔
 ”مگر آپ تو بول رہے ہیں۔“ سلیمان بولا۔ پھر تشویش کن انداز
 میں بڑھ کر سہارا دینے لگا۔ ”آخر ہوا کیا۔؟“
 ”کتنے کاٹ لیا۔“ عمران بولا۔
 ”کتنے۔؟“ سلیمان آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ ”تو پھر یہ۔ میں

ہلدی مرچ لاتا ہوں وہ لگائیجے گا۔“

”اے ہلدی مرچ تو کھانے میں ڈالتے ہیں۔“

”تہیں سرکار۔ میرے باپ دادا یہی کہتے تھے کہ کتنا کاٹ لے تو

ہلدی مرچ لگانی چاہیے۔“

”کیا انہیں بھی کتنے کاٹا تھا۔؟“

”تہیں تو۔“

”پھر وہ یونہی کہہ رہے ہوں گے، عمران نے سسکاری بھرتے ہوئے کہا۔

”آپ ٹھہریے۔ میں ابھی لایا،“ سلیمان اسے صونے پر بٹھاتا ہوا بولا۔

”اے سن تو۔“ عمران کہتا رہ گیا مگر سلیمان سیدھا کچن میں گھس گیا۔

پھر سلیمان ہلدی مرچ تیل میں گرم کر کے ہی لایا۔

”اسے لگائیجے۔“ وہ بولا۔

”کیوں ہے۔؟“

”صاحب کتنے کاٹا بہت برا ہوتا ہے۔“

”مگر اب میں ٹھیک ہوں۔“ عمران بولا۔ ”میں نے کتنے کتنے کاٹے کا

نیا علاج دریافت کر لیا ہے۔“

”نیا علاج۔؟“

”ہاں۔ جس جگہ کتنے کاٹا تھا۔ اس جگہ میں نے پلٹی سے چٹوایا۔ پلٹی

کے چاٹنے ہی زخم اپنے آپ بھر گئے۔“

سلیمان بھونچکا رہ گیا۔

پھر کافی دیر بعد اس کی سمجھ میں آسکا کہ عمران کو کہنے کیا کسی چیز ہے
نے بھی نہیں سمجھا تھا۔

اچانک کال بیل بجی اور سلیمان دروازہ کی طرف لپکا۔ چند لمحوں بعد
واپس آکر اس نے بتایا کہ کوئی لڑکی ملنا چاہتی ہے۔

”لل۔۔ لڑکی۔“ عمران نے اوؤں کی طرح آنکھوں کو گردش دی۔
سلیمان نے اثبات میں سر ہلادیا۔

عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر مگر گوشیا نہ لہجہ میں بولا۔
”سلیمان۔ اے“ لڑکی کے بھیس میں کوئی گتیا تو نہیں ہے۔؟“

”نہیں صاحب! واقعی لڑکی ہے۔“ سلیمان نے بڑے حلو ص سے کہا۔
عمران کی ہدایت پر سلیمان لڑکی کو اندر ہی لے آیا۔

لڑکی نہ صرف قبول صورت بلکہ کسی حد تک خوبصورت بھی تھی۔ قیمتی
سارے ہی میں بلبوس تھی۔ لہذا کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ عمران
پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ چہرے پر حافقت کے سیلاب امد
رہے تھے۔

لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہوئی اُگے بڑھی۔

”کیا آپ مجھے بیٹھے کے لئے بھی نہیں کہیں گے۔“ وہ بولی۔

”ہاں۔“ عمران بوکھلا کر اٹھ ٹکھڑا ہوا۔ کیا یہ بھی کہنا پڑتا ہے۔

وہ گھٹے گھٹے لہجہ میں بولا۔ ”بیٹھے۔“

لڑکی کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک پیدا ہوئی جیسے کسی بچے کو پسندیدہ

چیز ملنے والی ہو۔ وہ اب کچھ دلچسپ نظروں سے عمران کو دیکھ رہی تھی
 ”میں نے آج تک آپ جیسا آدمی نہیں دیکھا۔“ وہ مسکرائی۔
 ”کیوں؟ کیا میرے دم نکل آئی ہے؟“ عمران بوکھلا کر مڑا اور
 پیچھے کی طرف دیکھنے لگا۔

”تہیں تہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔“ لڑکی جلدی سے بولی۔ ”میرا
 مطلب ہے کہ آپ جیسا پھر تیرا انسان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔“
 ”ہے تا۔؟“ عمران مسرت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ سلیمان کا بچہ
 بیکار ہی مجھے چھیرا ملے کہ ان دنوں میں کاہل ہوتا جا رہا ہوں۔ مگر محترمہ مجھے
 یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کب آپ کے ساتھ دوڑ لگائی ہے۔“
 ”میرا خیال ہے کہ پہلے ہم ایک دوسرے کو جان لیں۔ اس کے بعد ہی
 گفتگو مناسب رہے گی۔؟“

عمران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ٹوٹنے والی نظروں سے
 اسے دیکھ رہا تھا۔

”میرا نام سلطانہ ہے۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میرے فاسم علی میرے
 والد ہیں۔“

”میرے فاسم علی۔“ عمران سوچتا ہوا بولا۔ ”وہی سٹی مجسٹریٹ نا۔؟ جن
 کی کمرزن روڈ پر رہائش ہے۔“

”وہی۔۔“ لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے۔ میں آپ کو جان گیا۔ اب۔؟“

”اب آپ...“

”اب میں خود کو حیواؤں۔“

سلطانہ جھینپ گئی۔ وہ ناخنوں سے فرش کھرچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”دیکھئے محترمہ!، عمران اس کی طرف جھکتا ہوا بولا۔ اگر آپ اپنا ٹائم پاس کر رہی ہیں تو اور بات ہے ورنہ میں ایک بہت قیمتی شخص ہوں جس کے والدین یقیناً حیات ہیں۔“

”میں سمجھتی نہیں۔“

”شاید فلیٹ میں داخل ہونے سے قبل آپ تے میرا نام مع ڈگریوں کے دیکھ ہی لیا ہو گا۔ اس کے باوجود آپ کو میرا تعارف درکار ہے کیوں؟“

”وہ... وہ... دیکھئے۔“

”ہاں ہاں دکھائیے۔“

سلطانہ نے بڑی گہری نظروں سے عمران کو گھورا۔ پھر ایک طویل سانس لیکر کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا دی۔

”میں۔“ وہ بولی۔ ”چونکہ میں ایک مجسٹریٹ کی بیٹی ہوں لہذا یہ بات

آپ ذہن سے نکال دیجئے کہ میں آپ کو قلمرٹ کر رہی ہوں۔ میں نے

دراصل صبح آپ کو ایک عجیب و غریب سچویشن میں دکھا تھا۔ بس اسی

وقت سے آپ سے ذاتی طور پر ملاقات کرنے کی خواہش پیدا ہو چکی تھی

”ٹہرے۔“ عمران ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔ آپ کی کوئی بات میرے

پتے نہیں پڑ رہی ہے بعدہ چوپٹ ہے نا۔ لہذا کوئی بات سمجھ میں آہی
ہیں سکتی۔ ”بحرودہ بلند آواز میں بولا۔ ”سیلمان۔ چلے اور پراٹھ۔“
”پراٹھ۔“، سلطانہ جزیزیسی ہو کر رہ گئی۔

”کیوں۔؟“ عمران نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“

جینٹ منٹ بعد ہی سیلمان واقعی چلے اور پراٹھ لے آیا۔ شاید وہ
بچہ دیر قبل پراٹھ ہی تیار ہوا تھا۔ اور اس کی خوشبو نے عمران کا معبدہ
چوپٹ کیا تھا۔

میز پر چلے اور پراٹھ رکھ دیئے گئے۔

”آئیے۔“، عمران سلطانہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بس شکریہ۔ آپ ہی کھائیے۔“

عمران نے مزید اقرار کیا مگر سلطانہ نے صرف چائے پر اکتفا کیا۔

”غوں۔ غا۔“، عمران حلق سے نوالہ آتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر پیڈسن
کہتا ہے کہ جب بھی کوئی لڑکی تمہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کرے۔ فوراً
پراٹھوں کا استعمال کرو۔ پراٹھوں سے معدے کا ہاڈس فل ہو جاتا ہے۔
خون کا دوران بڑھ جاتا ہے۔ بنیاتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ عقل گدی
سے کھسک کر اپنے مقام پر آ جاتی ہے۔ اور“

”آپ شاید سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو بے وقوف بنا رہی ہوں۔“

”ضروری نہیں کہ آپ ڈاکٹر پیڈسن کی رائے سے اتفاق کریں

ویسے کنفوشش بھی اس سے ملتا جلتا مقولہ کہہ گیا ہے کہ لڑکیوں سے گفتگو کرتے وقت پیٹ بھرا ہوا ہوتا چاہیے لیکن کنفوشش کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس نے دنیا کے ہر موضوع پر کچھ نہ کچھ کہا ہے۔ جبکہ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی ساری زندگی محض مقولے ایجاد کرنے میں گزاری ہے۔ کسی ایک بھی مقولے پر اس نے ندرات خود عمل تک نہ کیا ہوگا۔ کیا خیال ہے آپ کا۔“

”اگر آپ کو میری موجودگی تا گوار گزاری ہو تو میں اٹھ جاتی ہے۔“
سلطانہ نے ناتواں لہجہ میں کہا۔

”براق گیس آپ۔“ عمران چائے کی پیالی خالی کرتا ہوا بولا۔
کنفوشش نے... ار رہی بیٹھے بیٹھے مس مسنائے میں اب آپ سے بات کرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔“

”سلطانہ پلیز۔“ سلطانہ نے تسلی کرتے ہوئے کہا۔

”ادہ ساری۔“ عمران جلدی سے بولا۔ یہ نام بھولنے کا مرض مجھے

میں بچپن سے ہے۔ بہر حال تو مس مسنائے... ار مس سلطانہ۔ اب

فرمائیے مجھ سے آپ کیا چاہتی ہیں۔“

”صرف دوستی۔“

”کیا مطلب۔؟“

”در اصل مسٹر عمران۔ میں اپنی افتاد طبع سے مجبور ہوں صبح آپ کو

ایک کتے کے ساتھ اچھل کود کرتے دیکھا تھا۔ آپ نے جس بھرتی سے اس کو

چمکے یا اور جس پھرتی سے آپ بس میں سوار ہوئے۔ اوہ میرے خدا۔ میں
 بتا نہیں سکتی مسٹر عمران اس وقت آپ واقعی ٹارزن لگ رہے تھے۔“
 سلطانہ کہتی رہی۔ ”میں بچپن سے ہی کچھ اس قسم کی طبیعت رکھتی ہوں کہ کہہ“
 ”کہ جیسے آپ خوابوں کے جزیروں سے گزر رہی ہوں۔“ عمران
 نے لقمہ دیا۔

”ہاں ہاں بالکل۔“ سلطانہ دبے دبے سے جوش کے ساتھ بولی۔
 ”میں واقعی خواب دیکھنے والی لڑکی ہوں۔ مجھے ہر وہ انسان اچھا لگتا ہے
 جو انفرادیت رکھتا ہو۔ عام نوجوانوں جیسا دل پھینک یا سرکھے ہوئے یا اس
 کی طرح نہ ہو۔ مسٹر عمران آپ کو اس وقت دیکھ کر میں ٹھٹھکی تھی۔ پھر کچھ ہی
 دیر بعد آپ کی حرکتوں سے اتنی متاثر ہوئی۔ کہ آپ کے چلے آنے کے بعد
 منقطع ہو گئی کہ کہاں ملوں۔ مجھے قطعی معلوم نہ تھا کہ آپ کون ہیں کیا نام
 ہے اور کہاں رہتے ہیں۔ اب اسے اتفاق کہا جائے یا میری خوش قسمتی
 کہ حیرت میں اس روڈ سے گزر رہی تھی تو آپ فلیٹ میں داخل ہو رہے تھے۔“
 ”لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کسی دوست کے گھر آیا ہوں۔“
 ”بالکل یہی بات میرے ذہن میں بھی ابھری تھی۔ اسی لئے کچھ دیر
 تک مجھے باہر انتظار کرنا پڑا۔“ سلطانہ نے کہا۔ پھر بولی۔ ”فلیٹ کے باہر نام
 دیکھا تو علی عمران اور درجنوں ڈگریاں لکھی تھیں۔ جس سے یہی ظاہر ہوتا تھا
 کہ وہ کسی بزرگ کا فلیٹ ہے۔ پھر دستک دینے پر آپ کے نوکر سے معلوم
 ہوا کہ علی عمران آپ ہی ہیں۔“

سلطانہ خاموش ہو گئی۔ اب وہ چائے کا آخری گھونٹ بھر رہی تھی جو پیالی میں ہی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ گھونٹ بھرتے ہی اس کا منہ بن گیا۔

”چائے اور منگواؤں۔“ عمران نے پوچھا۔ پھر حویا اب کا انتظار کرتے بغیر ہانک لگائی۔ ”سلیمان چائے!“

۰

رات کے دو بجے تھے۔

شہر کی سستان سڑکوں پر ویرانی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ دور کہیں سے گیدڑ کی یا ہوا، یا ہو کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ اور قریب کوئی کتا درہا تھا۔ پھر اچانک ایک کتا بڑے زور سے بھونک پڑا۔ اس کے فوراً بعد دور کہیں سے کسی دوسرے کتنے بھونک کر گویا پہلے کتنے کو جواب دیا۔ پہلا کتا پھر بھونکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قریب و جوار کے کئی کتوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سستان اور ویران سڑک پر کتوں کا ہوا اس قدر بڑھا کہ قطعی یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس علاقہ میں کتوں کے علاوہ بھی کوئی دسی نفس رہتا ہے۔

”کیا مصیبت ہے،“ گشتی کا انسٹیل اپنا ڈنڈا زمین پر ہارتے ہوئے بڑبڑایا۔ پھر ایک موٹی مٹی کی گالی دیکر بلغم بھونکنا ہوا دھاڑا، ”ہوشت ہوشت... ہاشت ہاشت۔“

گشتی کا انسٹیل کی آواز کتوں کے شور میں ہی دب گئی۔

پھر اس نے ڈنڈا زمین پر مار کر کسی بار "ہاشت ہاشت" اور ہشت ہشت کہا۔ مگر کتوں میں بھی غالباً ٹھن گئی تھی۔ وہ کسی طرح رکنے پر تیار نظر نہ آتے تھے۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک بڑے جلسے میں کسی مقرر نے تقریر کی اور مخالف پارٹی کے کسی فرد نے آواز کسا، اس کے بعد تقریر کرنے والے کے حمایتی نے جواب میں سخت سست کہا۔ پھر اس کے بعد مخالف پارٹی اور مقرر کے حمایتیوں میں باقاعدہ مقابلہ ہونے لگا۔ اور جلسہ سیاسی اکھاڑہ بن کر رہ گئی ہو۔

گشتی کانسیٹیل ڈنڈا مار مار کر کھانستا اور دبا دبا رہا اور کبھی کبھی بلغم تھوکتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

اچانک اس کی نظر سڑک پر پڑی جو کسی کار کی سپیڈ لائٹس سے روشن ہو رہی تھی۔ کانسیٹیل نے چند دھیلے ہوئے انداز میں پیشانی کے نیچے ہاتھ رکھ کر سڑک کی دوسری طرف دیکھا۔

وہ واقعی ایک کار تھی۔ سیاہ رنگ کی ایک چمکیلی کار چمکیلی اس لئے کہ چاند کی مدھم روشنی اس پر سے پھسلتی ہوئی لگ رہی تھی۔ رفتار زیادہ سے زیادہ تیس تھی۔ کانسیٹیل کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سڑک سے گزرتی ہوئی دوسری سڑک پر مڑ گئی۔ کانسیٹیل سوچ رہا تھا کہ اتنی رات گئے اس کار کا یہاں کیا کام، اور جس سڑک پر وہ مڑی تھی وہ تو صرف اس بستی کی طرف جاتی تھی جہاں جھوپڑیوں اور کچے مکانوں کی بھیرا تھی۔ اور اس علاقے میں ہر قسم کا ناجائز کام ہوتا تھا۔ غریب لوگ راتوں کو اپنی میٹروں کو غیروں

کی آغوش میں دیئے میں بھی نہیں ہچکچاتے تھے، اور پھر کچی شراب کی مہٹیاں تو بکثرت یہاں پائی جاتی تھیں۔ یہ سب کچھ سہی مگر کھٹیا درجے کی شراب اور ہڈیوں سے چمڑی لگی ہوئی بد صورت لڑکیوں سے ان کاہ والوں کا کیا واسطہ! گشتی کانسٹیبل سوچتا رہا۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد خود ہی نشانے اچکا کر بڑبڑایا۔ ”مجھے کیا ہو گا کچھ۔“ اس نے پھر زمین پر ڈنڈا مارا۔ مگر اب کتوں کا شور کہاں تھا۔ اب تو پھر وہی دیرانی تھی۔

کار بہت سے کچے مکانوں اور چھوٹی سی گلیوں کو پار کرتی ہوئی اینٹوں کے ایک مکان کے سامنے جا کر رک گئی۔

کار چلنے والا شخص بڑی بڑی مونچھوں والا ایک بد صورت آدمی تھا۔ اس نے اسپرنگ وہیل سے ہاتھ مٹا کر جیب میں ڈالا۔ پھر سگریٹ سلاک کر ایک طویل کش لگایا، اور دروازہ کھولی کر اتر آیا۔ اب وہ اس مکان کی طرف بڑھ رہا تھا جو اینٹوں کا فروغ تھا مگر کچا تھا۔

دروازے پر اس نے ہلکی سی دستک دی اور آرام سے کش لینے لگا۔ جیسے اسے یقین ہو کہ ابھی دروازہ کھل جائے گا۔ دوہین کش لینے کے بعد اس نے دوبارہ دستک دی۔ پھر اسے انتظار تھیں کرنا پڑا۔

دروازہ جلد ہی کھل گیا۔

دروازہ کھولنے والا ایک لپتہ قد اور قدرے گول مٹول شخص تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تخت کا پیمپ تھا۔

”آ جاؤ۔“ وہ سرگوشی کے انداز میں پھپھکا رہا۔

کار چلانے والا اندر داخل ہو گیا۔ پینتہ قد نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دونوں ایک چھوٹے سے بہت ہی گندے کمرے میں ایک چارپائی پر آکر بیٹھ گئے۔

کار چلانے والے نے چارپائی پر بیٹھنے ہی کہا۔ "ماٹو، کیا ہوا۔؟" وہ صاف بچ لکھا، "پینتہ قد ماٹو نے دھبی آواز میں کہا۔ پھر بولا۔ "صرف یہی نہیں اس نے دو کتوں کو بھی گولی مار دی۔ سیراکتا واپس آ گیا تھا۔" کار چلانے والے نے کچھ کہنا چاہا مگر ماٹو اس سے پہلے ہی بول پڑا۔ "میں اس کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ مگر اس وقت تک وہاں پولیس پہنچ چکی تھی۔ پولیس کتوں کو اٹھا کر لے گئی ہے۔"

"تو اب..." کار چلانے والے نے کہا۔ وہ اور بھی ہوشیار ہو گیا ہو گا۔ "ہاں۔! لیکن مجھے تعجب ہے کہ وہ بچ کیسے گیا۔" "میرا خیال ہے کہ اس نے کتوں کو اپنے قریب پہنچنے ہی نہ دیا ہو گا۔" یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ بکتے۔۔۔

"ماٹو... تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو وہ صورت سے احمق سی۔ مگر اندرونی طور پر دنیا کا تحتاطر ترین انسان واقع ہوا ہے۔" لیکن ماٹو کے کتوں سے بچنا بھی بہت مشکل کام ہے، وہ بولا۔ بہر حال آپ کو جلد ہی یہ اطلاع مل جائے گی کہ عمران کو کتوں نے کھنچوڑ ڈالا ہے۔" لیکن پولیس۔۔۔

"پولیس کبھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتی۔" ماٹو نے خود اعتمادی کے لہجہ میں کہا۔

جس جگہ سے میں نے کتوں کو بھیجا تھا۔ وہاں پولیس کو صرف اس تیسرے
 کتے کی لاش کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ملے گا۔ لیکن مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ
 میرے تین تربیت یافتہ کتوں کا خون ہوجانے کے باوجود کام نہ ہو سکا۔“
 کارچلانے والے شخص نے کچھ سوچا۔ پھر حیب سے نوٹوں کی ایک
 گڈی نکال کر ماٹو کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ”حتیٰ جلد کام مکمل ہوگا
 اتنی ہی جلد لقیہ ادا ہوگی بھی ہو جائے گی۔ کیا سمجھے!“
 ”میں سمجھتا ہوں۔ ماٹو نے گڈی لیتے ہوئے کہا: ”اس بار چھ کتے
 عمران پر لپکس گئے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔ ماٹو۔ کارچلانے والے نے ماٹو کے شانے پر
 تھپکی دی اور واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

کار میں بیٹھتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے
 کار واپس آکر اس بڑک پر چل پڑی۔ جہاں سے آئی تھی۔ مگر اس بار
 اس کی رفتار کافی تیز تھی۔

سستان بڑکوں پر کافی دیر دوڑنے کے بعد ایک شاندار کوکھی
 پر اس کے بڑک چڑھ گئے۔ کارچلانے والا اترا اور کوکھی کا دروازہ
 کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ ایک دروازے کے سامنے کھڑا
 اطلاعی گھنٹی دبا رہا تھا۔ اندر گھنٹی کی آواز گونجی۔ اور وہ انتظار
 کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس نے دوبارہ گھنٹی کا بٹن دبایا۔ پھر جلد ہی
 دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہو گیا۔

اب وہ ایک کمرہ میں تھا جہیں ایک تیز روشنی کا بلب جل رہا تھا۔
 دروازہ کھولنے والا ایک درازوز نقاب پوش تھا جس نے اس کے
 داخل ہوتے ہی دروازہ پھر بند کر لیا تھا۔

❖ ❖ ❖

سلطانہ بے اختیار قہقہے لگا رہی تھی۔

اور عمران اس طرح برے برے منہ تباہا تھا جیسے سلطانہ کی
 ہنسی کو وہ بچکانہ حرکت سمجھتا ہو۔

”آپ واقعی بہت دلچسپ ہیں مسٹر عمران۔ واقعی بہت دلچسپ۔“
 سلطانہ نے اپنی ہنسی پرتقا بولتے ہوئے کہا۔

”اگر آپ کے اس جملہ کو سات سے ضرب دی جائے تو حاصل ضرب
 انچاس ہوگا۔“ عمران نے کہا۔

سلطانہ اتنی دیر میں کافی حد تک عمران سے گھل مل چکی تھی۔ دوران
 گفتگو عمران نے کئی بار یہ احساس کرنا چاہا کہ یہ لڑکی کہیں اسے گھسی تو
 نہیں رہی۔ مگر اب تک کوئی ایسی بات وہ نہ کہہ سکا تھا۔ پھر اس
 کے علاوہ اور کیا صورت رہ جاتی تھی کہ فی الحال واقعی اسے بے ضرر سمجھ
 اگرچہ لڑکی نے اس سے کہا تھا کہ فی الحال اس سے دوستی کرنا چاہتی ہے۔

مگر نہ معلوم کیوں عمران کے حلق سے یہ بات اتر نہیں رہی تھی۔ بہر حال۔
 اس نے سوچا... اگر یہ کسی قسم کا جال بھی ہے تو کیا مضائقہ ہے؟ وہ تو خود

ہی خطرات میں گھس کر کام کرنے کا شائق تھا۔

”سٹر عمران!“ سلطانہ نے کہا۔ ”یہ اتنی ڈیور ساری ڈگریوں کا کیا چکر ہے۔؟“

”حکمر۔“ عمران غصیلے انداز میں بولا۔ ”ارے کیا یہ سب میں نے محض نمائش کے لئے لکھوائی ہیں۔“

”تو کیا واقعی آپ نے ڈگریاں لی ہیں۔“ سلطانہ کا لہجہ کچھ مضحکہ اڑانے والا تھا۔

”کیا دکھا دوں۔“

”ضرور ضرور۔“ مجھے نئی چیزیں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔“ سلطانہ نے کہا۔

عمران سچ سچ سڈیا گیا۔ بھلا اس وقت وہ ڈگریاں کہاں ڈھونڈتا وہ محض صاحب کی کوٹھی پر بحفاظت رکھی تھیں۔ پھر بھی وہ غصیلے انداز میں اٹھا۔ مگر پھر فوراً ہی کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولا۔ ”لغت ہے۔“

”کیا مطلب۔؟“

”آپ پر لغت نہیں بھیج رہا ہوں۔ بلکہ اس وقت پر لغت بھیج رہا ہوں جبکہ آپ میری پھر تئی پر فدا ہوئی تھیں۔ ارے میں پوچھتا ہوں کیا آپ کو ڈگریاں دکھانے پر ہی یقین آئے گا۔۔۔۔۔ میری زبان پر اعتبار نہیں۔“

”اچھا چلیے ناں لیا کہ واقعی آپ ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔“ سلطانہ

نے اس طرح کہا جیسے بات ختم کرنا چاہتی ہو۔ پھر چونک کر بولی۔ اس
کے متعلق یہ چلا کہ آخر وہ آپ پر ہی کیوں چھپتا تھا۔

”وہ بھی دوستی کرنا چاہتا ہو گا۔“

”یہودگی نہیں۔“ سلطان نے برائے ہونے کہا۔ ”میں سنجیدگی

سے پرچھ رہی ہوں۔“

”خدا معلوم کیوں چھپتا تھا۔“ عمران لا پرواہی سے بولا۔ مگر

بہر حال اس نے کاٹ ہی لیا۔

”نہیں۔ کہاں۔“ وہ گھرائی ہوئی بولی۔

عمران بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”بعد میں ایک کے بجائے تین کتے ہو گئے تھے۔ اور ان میں سے

ایک نے تجھے کاٹ لیا۔“

”کہاں کاٹا ہے۔“

”طبانگ پر۔“ عمران نے ران پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ذرا دکھائیے۔“

”کیا۔؟“ عمران نے ہولقوں کی طرح منہ پھاڑ کر کہا۔

”ہاں ہاں ذرا دکھائیے تو۔“ سلطان نے اصرار کیا۔ پھر عمران

کی طرف دیکھ کر بے ساختہ تنہیں پڑی۔

عمران بالکل کسی کنواری اور شرمیلی لڑکی کی طرح اس طرح بجا رہا

تھا جیسے اسے کسی غیر مرد نے چھوڑ دیا ہو اور وہ پانی پانی ہو رہی ہو۔

”ارے،“ وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”آپ کا چہرہ تو گلابی ہو رہا ہے۔“
 ”تو آپ بھی تو ٹانگ دکھانے کو کہتی ہیں۔“ عمران نے گھٹے گھٹے ہنچ
 میں کہا۔

”ارے تو اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ میں صرف ٹانگ ہی تو
 دیکھ رہی ہوں۔“

پھر جیسے جیسے عمران نے پیلون کے پائینے سٹاکر ٹانگ پر انگلی رکھتے
 ہوئے کہا۔ ”یہاں کا ٹانھا۔“ اور فوراً ہی پائینے نیچے کر کے اس طرح
 گہرے گہرے سانس لینے لگا جیسے کسی پردہ نشین خاتون نے مجبوری کے
 عالم میں جسم کا کوئی حصہ بے نقاب کیا ہو۔

سلطانہ بڑی مشکل سے اپنے زبردست قہقہے کو روک سکی تھی۔
 ”لیکن یہاں تو کوئی نشان نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

”نہیں ہے نا۔“ ایک بیک عمران نے چبک کر کہا۔ چہرے پر سے نرمندگی
 کی علامتیں نکلنے لگیں۔ ”میں پہلے ہی جانتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔
 بہتر ہی ہوا کہ میں نے سلیمان کی بلدی اور مرہیں نہیں لگائیں۔“
 ”میں سمجھتی نہیں۔“

”ارے کچھ نہیں۔“ عمران نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”سلیمان کہتا
 تھا کہ بلدی اور مرہیں لگانے سے ٹھیک ہو جائے گا۔ جبکہ میں نے الجبرا
 میں پڑھا تھا کہ کتا کاٹے تو ملی سے جوڑ لینا چاہیے۔ باقی اللہ پر
 چھوڑ دینا چاہیے۔“ پھر سلطانہ کے آگے انگوٹھا پچاتے ہوئے بولا۔ ”اتنے

بڑے بڑے نشان تھے۔“

سلطانہ مسکرا دی۔

”آج کی شام آپ میرے ساتھ گزارنا پسند کریں گے؟“ وہ بولی۔
 ”دوپہر ہی نہیں گزر رہی شام کیا گزرے گی۔“

”کیا مطلب۔؟“

”ہم کب سے بیچھے باتیں کر رہے ہیں اور ابھی تک دوپہر نہیں گزری۔ اور ہاں میں یہ تو بھول ہی گیا کہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مجھے قیلولہ کی عادت ہے۔“

”ارے یا پاپے،“ پھر خود بخود اس کا سر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

”بہر حال! میں شام کو ہوٹل رنیو کے لان میں انتظار کروں گی۔“
 سلطانہ نے کہا۔ اور عمران۔ اس کے خراٹے بلند ہو رہے تھے۔

سلطانہ نے بڑی عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور
 سیدھی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

∴

∴

∴

شام کے ٹھیک چھ بجے جولیا کا فون بڑا اٹھا۔

جولیا نے لیک کر ریسپونڈ اٹھا لیا۔ ”جولیا اسپیننگ۔“

”جولیا! تم ہوٹل رنیو میں ٹھیک سات بجے عمران سے ملو۔“

”یس سر۔“

”انداز ایسا ہی ہو۔ جیسے تم اس کی بہت پرانی شناسا ہو۔“

”آل رائٹ سر۔“

”وہ لان میں کسی ٹیبل پر بیٹھا ہو گا۔“ ایکسٹو کی آواز آئی۔ پھر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

ہوٹل ریوینٹر کا ایک شاندار ہوٹل تھا۔ ہوٹل کے درمیان چاروں طرف پارک تھا۔ اور اکثریت بھرے اپنی شاہیں ہوٹل ریو کے اس پارک میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ پارک میں بیٹھنے والوں کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ اور ویٹر وہیں آرڈر سرور کیا کرتے تھے۔

عمران نے جیسے ہی لان میں قدم رکھا اسے سلطانہ نظر آگئی۔ وہ ایک خالی ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”ہالو۔۔۔“ عمران نے وہیں سے ہانک لگائی۔ اور گرد و پیش کے لوگ چونک پڑے۔

سلطانہ کے چہرے پر شرمندگی کے آثار امدے۔ مگر پھر معدوم ہو گئے۔ وہ عمران کو دیکھ رہی تھی، جو ہمیشہ سوٹ میں بے انتہا چم رہا تھا۔ خدا معلوم اس بار وہ سلیقہ کا لباس کیسے پہن آیا تھا۔

”ہیلو شیطانہ۔“ اس نے قریب آتے ہی کہا۔

سلطانہ نے برا سامنہ بنا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”اوہ۔ شاید میں غلط جگہ آ گیا۔“ عمران بولا۔ پھر جانے کے لئے مڑا۔

”ٹہریئے۔“ سلطانہ نے کہا۔

عمران ٹہر گیا۔

”فرمائیے۔“ وہ ہندیانہ انداز سے بولا۔

”میرا نام ٹھیک طرح نہیں لے سکتے۔“ سلطانہ نے بڑے ماتر و اداسے کہا۔
اور عمران کی کھوپڑی سوچنے لگی۔ ”محترم بڑی غلط فہمی میں مبتلا
ہو۔۔ ان تلوں میں نیل کہاں؟ تم شاید سمجھتی ہو کہ میں اس ناز و اداس پریشانی
خطی ہو جاؤں گا۔“

ابھی وہ کچھ اور سوچتا مگر سلطانہ جھڑپول پڑی۔ آپ آخر میرا نام لگا رہے
کیوں ہیں۔“

”ٹھیک ہی تو نام لیا ہے۔“ عمران بولا۔

”ٹھیک لیا تھا۔“؟

”بالکل۔“

”پتہ نہیں آپ اتنے نئے کیوں ہیں۔ میرا نام سلطانہ ہے۔“

”اوہ۔“ عمران طویل سانس لیکر بولا۔ ”میں ابھی وہی سوچ رہا تھا

کہ اگر شیطانہ غلط نام ہے تو صحیح کیا ہے۔؟ ذہن میں۔ متناہ اور کربانہ سے

لے کر ہریانہ تک آیا۔ مگر یہ سلطانہ۔۔ ارے باپ ارے۔“

ارے باپ ارے کہتے ہی عمران کچھ اس طرح نروس نظر آنے لگا جیسے

شدید طور پر نروس بریک ڈاؤن کا حملہ ہوا ہے۔

”کیا ہوا۔؟“ سلطانہ چونکی۔

لیکن عمران کے جواب دینے سے قبل ہی جولیہ اس ٹیلی پر پہنچ چکی تھی۔
 ”سہیلو عمران..“ جولیہ نے آتے ہی کمری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ آواز
 میں لہک بھی تھی۔

”ہے... ہے۔۔۔ سہیلو۔۔۔“ عمران تھوک گھٹا ہوا بولا۔
 جولیہ نے بڑی گہری نظروں سے سلطانہ کی طرف دیکھا۔ پھر عمران
 سے مخاطب ہو کر کہا ”آپ کی تعریف۔“
 ”تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا۔“ عمران نے انگلی اٹھا کر
 آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے درویشانہ انداز میں کہا۔
 کچھ لمحوں تک انگلی اٹھائے رکھنے کے بعد پھر دوسرے ہاتھ سے انگلی
 پکڑ کر اتنی احتیاط سے نیچے کی، جیسے خطرہ ہو کہ گر نہ پڑے۔
 کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر عمران نے ہی تعارف کرایا۔ مگر دونوں نے
 ایک دوسرے سے کچھ کہا نہیں۔

جولیہ کافی دیر تک عمران سے باتیں کرتی رہی، انداز ایسا ہی تھا
 جیسے دیر تہہ نشا سا ہو۔
 دفعتاً عمران بولا۔ ”ابھی تک آپ لوگوں نے دوستی کے لئے ہاتھ نہیں
 بڑھایا۔“

”اوہ۔۔۔“ دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
 اور پھر دونوں نے ہاتھ ملا کر ایک دوسرے سے ملکر ”پرست ہوئے
 کا اعلان کیا۔“

دبیر کے آتے پر سلطانہ نے ہی آرڈر دیا۔ جو تھوڑی ہی دیر بعد میز پر جن دیا گیا۔ جیسے ہی میز پر کھانا چھایا گیا۔ عمران اس پر لوٹ پڑا۔ پھر جویا اور سلطانہ میں باتوں کا سلسلہ چل پڑا۔

”آپ عمران صاحب کو کب سے جانتی ہیں؟“ سلطانہ نے پوچھا۔
”بچپن سے۔“

”کیا یہ آپ کے بھائی ہیں؟“ سلطانہ نے اس پر چوٹ کی۔
جویا سٹیٹا گئی۔ مگر پھر تسخیل کر بولی۔ ”نہیں۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ آج صبح انہوں نے یہاں ملنے کے لئے کہا تھا، کہ میں تمہیں اپنی بہن سے ملاؤں گا۔“

جویا کو سلطانہ کا رنگ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس نے پھر چوٹ کی۔ ”واقعی آپ دونوں کی شکل کتنی ملتی جلتی ہے؟“ سلطانہ بڑی مشکل سے قبضہ کر رہی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھتے ہوئے عمران کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”ہیں ابھی آئی۔“

عمران بدستور کھاتے میں مشغول رہا۔ اب یہ بات اور ہے کہ کھاتے کے ساتھ ہی ساتھ اس نے کان بھی کھلے رکھے ہوں۔

”یہ کیا بدتمیزی تھی؟“ سلطانہ کے جاتے ہی جویا عمران پر برس پڑی۔
”ہائیں۔“ عمران بلیکین جھپکاتے ہوئے بولا۔ ”کیا ایکسٹرنے تمہیں

کچھ نہیں بتایا

”کیا مطلب؟“

”مطلب وہی چوہا جانے۔“ عمران نے کہا اور پھر کھانے میں جھٹ گیا۔

∴ ∴ ∴

دروازہ بند کرنے کے بعد نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ کار چلانے والا کچھ کہتا۔ نقاب پوش بولا۔ ”پولیس ان دونوں کتوں کو اپنے ساتھ لے گئی ہے جس کو اس احمق نے گولی کا نشانہ بنایا تھا۔“

”کیا... آپ...“ کار چلانے والا گڑبڑا کر رہ گیا۔

”ہاں! مجھے معلوم ہے۔“ نقاب پوش نے کہا۔ ”اور اب وہ ان کتوں کے ذریعہ ہلاک نہیں ہو سکتا۔“

”لیکن مالٹے نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اب وہ اس پرچھ کتے ایک ساتھ چھوڑے گا۔ اور اس بار اس کا خاتمہ ضرور ہو جائے گا۔“

”تم لوگ احمق ہو۔“ نقاب پوش غرایا۔ ”اب وہ اس فکر میں ہوگا کہ کتنے جلد از جلد اس پر حملہ کریں۔“

”لیکن مالٹا کہتا ہے کہ اگر پولیس کے ہاتھ میں کتے پڑ بھی گئے تو وہ اس تک نہیں پہنچ سکتی۔“

”ہوں۔“، نقاب پوش بولا۔ ”مگر تم مٹو سے ملنے وقت ہوشیار رہنا۔“
 ”میں احتیاط رکھوں گا خیاب۔“ کار چلانے والے نے مودب لہجہ

میں کہا۔

”آل رائٹ! اب تم جاسکتے ہو۔“

کار چلانے والا اٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ”میں نے اسے مزید دو تھرا

روپے دے دیئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ کام ختم ہو جانے پر باقی ادائیگی بھی کر دینا۔“

”اوکے سر۔“ کار چلانے والے نے سرخم کرتے ہوئے کہا۔ پھر

دروازہ کھول کر اپنی کاریں آگیا۔ اور کار ایک بار پھر سستان سڑکوں
 پر دوڑ رہی تھی۔

۵

بلیک زیرو نے سیورا اٹھالیا۔

دوسری طرف عمران تھا۔

”ہیلو... کالے منفر۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”یہی ہی بول رہا ہوں جناب۔“

”تشکر ہے بول رہے ہو۔ بھونک نہیں رہے۔“ دوسری طرف

سے ٹھنڈی سانس لیکر کہا گیا۔

”میں سمجھا نہیں!“

”سمجھ کر بھی کیا کرو گے۔ خیر سنو! آج تمہیں میرا تعاقب کرنا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”کیوں؟ کیا میں نے لاطینی سیکھا ہے۔“

”اوہ۔ یہ بات نہیں جناب۔ میرا مطلب تھا کہ آپ کے تعاقب

کی نوعیت کیا ہوگی۔؟“

”کھوپڑی کا استعمال کرو بلیک زیرو۔ کیا تمہیں سب کچھ بتا کر

کے لئے۔
ہی سمجھایا جا رہا تھا۔
”معاف کیجئے گا جناب! میں سمجھ گیا۔ یقیناً آپ پر حملہ ہونے والا ہے۔“
”گڈ۔! آواز میں تحین کی جھلک تھی۔“ بلیک زیرو کیا تم نے فلم
شمس الدین دلی والا دیکھی ہے۔“

”شمس الدین دلی والا۔“ بلیک زیرو نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں ہاں۔ کیوں؟“

”اس فلم کا نام آج ہی سن رہا ہوں جناب۔!“

”اوہ! روتانا ہاؤسن فل جام ہے اور تم کہتے ہو کہ نام

ہی نہیں سنا۔ ارے بھئی ڈیڈ لائنٹ پر تو لگی ہے۔“

”اوہ۔“ بلیک زیرو مسکرا دیا۔ جناب اس کا نام سمین انیڈوائیل ہے۔“

”غلط۔! عمران کی غصیلی آواز ابھری۔“ اس کا نام شمس الدین دلی والا

ہی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ یقیناً بھول رہے ہیں۔“

”تمہارا یہ خیال درست ہو یا نہ ہو، مگر میرا خیال بالکل درست

ہے کہ تم میں بھی اب دوسرے ماتحتوں کی طرح لاپرواہی آتی جا رہی ہے۔“

”میں سمجھا نہیں جناب۔“

”کیا تمہیں فلم کا ذکرہ کاٹ کر یہ نہیں معلوم کرنا چاہیے تھا کہ تعاقب

کہاں سے شروع ہو گا اور میں کہاں سے بل رہا ہوں۔“

”اوہ۔ بلیک زیرو نے مترنمہ ہوتے ہوئے کہا۔“ آئی ایم ساری ستر۔“

”میں آہ تھروڑے پبلک بوتھ سے بول رہا ہوں۔ سمجھو! اور تمہیں دس منٹ کے اندر وہاں پہنچنا ہے۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ٹھیک دس منٹ میں بلیک زیر و عمران کی تباہی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ عمران کو تلاش کرنے میں اسے بہت زیادہ دیر نہ لگی۔ وہ بوتھ کے قریب والی دکان پر ایک شوکیس پر جھکا ہوا تھا۔ شاید اس نے بھی بلیک زیر کو دیکھ لیا ہوگا اسی لئے اب وہ اس دکان میں داخل ہو گیا تھا۔

بلیک زیر و ایک بک اسٹال کے قریب چلا گیا۔ اور بے مقصد رسالوں پر نظر دوڑانے لگا۔ اب یہ اور بات ہے کہ وہ اس دکان کی بھی نگہانی کر رہا ہو جس میں عمران داخل ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی عمران دکان سے نکل آیا۔

اب اس کے ہاتھ میں ایک جال تھا۔ بلیک زیر و نے جال کو بڑی حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔ پھر سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے شانوں کو جنبش دے کر رہ گیا۔

عمران کو یقین تھا کہ کتے پھر اس پر حملہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی۔ وہ اب بے مقصد رسالوں کے چکر لگا رہا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ اس واقعہ کو اتفاق قرار دیکر اس کی طرف سے دھیان ہٹا دیتا۔ مگر وہ عمران تھا۔ معمولی قسم کا شبہ بھی اس کو بہت دور کی سمجھا دیتا تھا۔

کتوں کو حملہ کرنے کو وہ اتفاق نہیں مانتا تھا۔ یہ بھی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ آخر اس حملہ کی پشت پر کون ہے۔ ظاہر ہے حملہ اس لئے کیا گیا

تھا کہ عمران ختم ہو جائے اور اس کی موت کو صرف ایک حادثہ تصور کیا جائے۔ قتل پر کسی کا شبہ بھی نہ ہو۔

عمران سوچتا رہا اور اس کی عقابانی نظر سے اطراف کا جائزہ لیتی ہوئی بڑھتی رہی۔ بلیک زیرو کا تعاقب برابر جاری تھا۔

انہی چکروں میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو گئے۔ مگر کوئی بھی کتا عمران پر نہ جھپٹا۔

یہ ایک اکتادینے والی بات تھی۔ عمران کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ جھٹلا کر اپنا ارادہ ترک کر دیتا۔ مگر عمران سے ایسی توقع رکھنا بیکار ہی تھا۔ اس کے ذہن میں ایک متنبہ جیب جڑ پکڑ جائے تو وہ اس طرح آسانی سے الگ ہوتا تقریباً ناممکن ہی تھا۔

وہ متواتر چلتا رہا۔

پھر اچانک وہ ایک مقامی ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ اسے

بلیک زیرو کا خیال تھا۔ جواب تک اس کے تعاقب میں تھا۔

نصف گھنٹہ وہاں بیٹھنے کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے

کنکھوں سے بلیک زیرو کی طرف دیکھا۔ بلیک زیرو ویل کی رقم ادا کر رہا تھا۔

پھر جیسے ہی عمران نے ریسٹورنٹ سے قدم باہر نکالا۔ کوئی چیز

اس کے اوپر سے ہوتی ہوئی تیزی سے گزر گئی۔

یہ بالکل ایک غیر متوقع حملہ تھا۔

ابھی عمران سنہلنے بھی نہ پایا تھا کہ دوسری چھلانگ! کتا بڑے
خونخوار انداز میں جھپٹا تھا۔

عمران نے ایک جھکائی لی اور پھر فوراً ہی دوسری طرف چھلانگ
لگا دی۔ چھلانگ لگانے کا مقصد تھا کہ وہ کسی مناسب جگہ پہنچ کر
جال کا استعمال کر سکے۔

چھلانگ سے یہ فائدہ تو ہوا کہ وہ کتے کے تیسرے حملہ سے محفوظ رہا۔
مگر اتفاقاً جس جگہ وہ چھلانگ کے زور میں آیا وہاں ایک پتھر سے ٹھوکر لگی اور
وہ گر پڑا۔ جال دوسری طرف ہاتھ سے نکل گیا۔

وہ کچھ ایسا بے لگا کر اٹھا کہ اسے کمر فوراً ہی جال پر قیفہ نہیں
کر سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ سرعت سے اٹھا اور جال کی طرف لپکا۔
ٹھیک اسی وقت کتے نے چھلانگ لگائی اور...

اور پھر عمران کے قریب ہی ٹپٹپٹا ہوا آگرا۔

عمران ایک لمحے کے لئے جھٹکا۔ پھر دوبارہ جال کی طرف جھپٹا۔
مگر اسے ایک بار پھر سنہلنا پڑا۔ اس بار ایک نہیں کسی کتے اس کی طرف
جھپٹے تھے۔ نہ معلوم کس طرف سے وہ برآمد ہوئے تھے۔

پھر عمران نے یہی نتیجہ سمجھا کہ فی الحال جال کا خیال چھوڑ ہی دینا
چاہیے۔

وہ کتوں کے زور دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ بدک کر بھاگا۔ پتہ
نہیں دل میں کیا سمجھتی تھی۔ کتے اس کے پیچھے تھے۔ جیڈمنٹ دوڑنے

کے بعد اچانک وہ دائیں طرف مڑ گیا۔

کئے آپنے زور میں آگے بھاگتے چلے گئے۔

اب عمران بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف لوٹ رہا تھا۔ رخ ہال

کی طرف ہی تھا۔

مگر اسے جان نکبہ پنپنا نصیب نہ ہوا۔ کئے برق کی مانند پلٹے تھے، اور

پھر اس کے قریب ہو رہے تھے۔

اچانک عمران نے اچھل کر ایک مکان کا چھجا پکڑ لیا۔ اور اس طرح

وہ ہوا میں معلق نظر آنے لگا۔ کئے بھی چھجے کے نیچے آگے تھے۔ اور اس کی

طرف منہ کر کے بری طرح بھونک رہے تھے۔

چاروں طرف بھر لگ چکی تھی۔ اور لوگ بڑی حیرت سے یہ سب

کچھ دیکھ رہے تھے۔ مگر بلیک زیمرو کا سرا حال تھا۔ جیسے کئے عمران کے

پیچھے دوڑ رہے تھے تو اس نے کئی بار چاہا کہ کتوں کو گولی کا نشانہ بنا دے

مگر چونکہ یہ دوڑیے تریب اور ادٹ پٹانگ تھی۔ لہذا نشانہ عطا ہونے

کا خدشہ تھا۔ ہوسکتا تھا کہ وہ عمران کے ہی لگ جاتی یا پھر کسی راہگیر کے۔

کیونکہ یہ باز اہی تو تھا۔ پھر جب عمران مکان کا چھجا پکڑ کر ٹسکا تو بلیک زیمرو

نے اچلتان کی سانس لی، اور نشانہ باندھا مگر اچانک اسے عمران کا اشارہ

ملا۔ اشارہ کے مطابق اسے کتوں کو گولی کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے تھا۔

بلیک زیمرو مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

کئے براہر عمران پر جھپٹ رہے تھے۔ مگر عمران اب چھجے کے اوپر

اوپر ہو گیا تھا۔ نیچے کئے بری طرح بھونک رہے تھے۔ دفعتاً عمران نے جیب سے ریوالبور نکال لیا۔ پھر اس میں سے دو شعلے نکلے اور دو کتے غمراہے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ایک بلیک عمران کی چھٹی ٹھس نے اس کو نیچے مڑنے پر مجبور کیا۔ مڑتے ہی اس نے ایک فاسر کیا۔ عقب سے آنے والا کتا بھیانک چیخ مار کر الٹ گیا۔

اب نیچے صرف دو کتے باقی رہ گئے تھے۔

عمران نے بلیک زیرو کو اشارہ کیا اور عقب کی دیوار سے لوہے کی نمائی کے ذریعے نیچے اترنے لگا۔

بلیک زیرو اس کا اشارہ پاتے ہی جال کی طرف لپکا، پھر اس کا انتظار کرنے لگا۔

نھوڑی سی دیر میں اس نے عمران کو دیکھا جو اس کی طرف آ رہا تھا۔ مگر اس کے پیچھے کتے بھی تھے۔ عمران نے وہیں سے اشارہ کیا، اور بلیک زیرو نے جال اس کی طرف اچھال دیا۔

عمران نے پھرتی سے نہ صرف جال لپک لیا بلکہ پھلانگ لگانے والے کتے کی زد سے بچتا ہوا ایک زوردار رسید بھی رسید کر دی۔ دوسرے کتے کو بھی اس نے اسی طرح ڈاج دیدیا تھا

جب تک کتے دوبارہ اس پر حملہ کرتے عمران نے جال کھول دیا تھا۔ پھر اس نے پھرتی سے جال ان کی طرف پھینکا۔ اور مسکرا دیا۔ دونوں کتے اس کے جال میں پھنس گئے تھے۔

تھوڑی سی دیر اس کے گرد جم غفیر اکٹھا ہو چکا تھا۔ سب ہی لوگ
 عمران کو متغیر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سب مختلف قسم کے عجیب
 عجیب سوالات کر رہے تھے۔ مگر عمران کی نظریں بلیک زیرو کو ڈھونڈ
 رہی تھیں۔ جو نہ معلوم کہاں غائب ہو گیا تھا۔

○

بلیک زیرو نے مضطربانہ انداز سے عمران کی طرف دیکھا۔ مگر
 عمران بدستور کتوں میں مہمک تھا۔ جس آدمی کو بلیک زیرو نے مارا تھا وہ
 نکلا جا رہا تھا۔ مگر عمران نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر بلیک زیرو
 کے ذہن میں صرف یہی بات آتی تھی کہ وہ اس کا تعاقب کرے
 ظاہر ہے کہ عمران نے کتوں کو نہ غیب میں لیا تھا۔ لہذا فی الحال
 اس پر کسی حملہ کا خطرہ نہ تھا۔ اور یہ پراسرار شخص جو کنوئیں کو جاں میں بھینستے
 دیکھ کر بری طرح چڑکا اور فوراً ہی تیزی سے مڑ کر گلی میں داخل ہوا
 تھا نکلا جا رہا تھا۔ لہذا اس نے عمران کو چھوڑ کر اس کے تعاقب کو بہتر سمجھا۔
 پتھر بچ گیلیوں سے ہوتا ہوا وہ شخص تقریباً نصف گھنٹے ملنگ پیدل
 ہی چلتا رہا۔ اگر وہ کسی سواری کا سہارا لیتا تو بلیک زیرو کو بڑی پریشانی

کا سامنا کرنا پڑتا۔ فوراً ہی دوسری سواری کا ہتھ پڑتا تو قدرے ناممکن
تھا لہذا اسے بلیک زیر کی خوش قسمتی ہی کہنا چاہیے کہ اس کا تسکار کسی
سوچ میں پیدل ہی چل رہا تھا۔

اگرچہ اس شخص نے اب تک سمجھے مگر نہیں دیکھا تھا۔ شاید اسے
احساس ہی نہیں تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود
بلیک زیر و تعاقب میں بڑی احتیاط برت رہا تھا۔ بلیک زیر دتے یہ
بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ شخص قطعی غیر متعلق ہو۔ وہ یہ سوچ بھی
نہیں سکتا تھا کیونکہ کامل یقین تھا کہ یہ شخص کتوں سے یقیناً تعلق رکھتا ہے۔
کتوں کے جال میں پھنسنے ہی اس کے چہرے پر یہ حواسی اور افطرابی کیفیت
کو اس نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

بلیک اسے ٹھٹھکنا پڑا۔

وہ شخص ایک بوسیدہ سے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔
بلیک زیر و ایک لمحے کے لئے ٹھٹھکا۔ پھر فوراً ہی قریب کی ایک
ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھ کر اس طرح دیکھنے لگا جیسے دوسری طرف
اترنا چاہتا ہو۔ مگر یہ ادراکات ہے کہ وہ دوسری طرف اترنے کے بجائے
اس بوسیدہ سے مکان میں جھانک رہا تھا۔ جس میں وہ شخص داخل ہوا تھا۔
اندر متعاقب شخص موم بتی کی روشنی میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر
جلد ہی وہ واپس آنے کے لئے مڑ گیا۔

اس کے مڑتے ہی بلیک زیر و دیوار کی دوسری طرف مڑ گیا۔

مکان سے نکل کر وہ سیدھا سڑک کی طرف آیا۔ اور ایک طرف چلنے لگا۔ بلیک زیرو نے اندازہ لگایا کہ وہ ٹیکسی اسٹیڈ کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا خیال درست ہی نکلا۔

اس نے ایک ٹیکسی لی اور چل دیا۔ بلیک زیرو نے بھی پیک دو دوسری ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔

”اس کا پیچھا کرو“ اس نے بھراٹے لہجے میں کہا۔
 ”ٹیکسی ڈرائیور نے مشتبہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔
 پولیس!، بلیک زیرو نے اس کا شک دور کرنے کی خاطر کہا۔
 اور ونڈ اسکرین کی طرف دیکھتے لگے۔

”فائدہ زیادہ رکھو۔ انہیں تعاقب کا علم نہیں ہوتا چاہیے،“ وہ بولا۔
 ”بہتر صاحب،“ ٹیکسی ڈرائیور نے جواب دیا۔
 تعاقب بہت زیادہ دیر نہ رہا۔

آگے والی ٹیکسی جیسے ہی اس علاقے کی طرف مڑی، جہاں نا جا تر شراب کی بے شمار بھٹیاں تھیں۔ بلیک زیرو کو اندازہ ہو گیا کہ اب تعاقب ختم ہونے ہی والا ہے۔

ٹیکسی ایک مکان پر رکی جو کسی حد تک تسکنت تھا۔

بلیک زیرو نے اپنی ٹیکسی موڑ پر ہی رکوا لی تھی۔ سیدھی سڑک پر اب اس کے دیکھے جانے کا احتمال نہ تھا۔
 ٹیکسی کو روانہ کر کے بلیک زیرو آگے بڑھ گیا۔

۰

عمران کتوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اور سلیمان اس طرح منہ
 پھاڑے کھڑا تھا۔ جیسے عمران پر دیوانگی سوار ہو گئی ہو۔
 کتے پنجرے میں بند تھے اور بدستور غمراہے تھے۔ انداز ایسا ہی
 تھا کہ جیسے عمران پر جھبیٹ پڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔
 اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور عمران چونک پڑا۔
 ”سیلر۔“ وہ رسیور اٹھانے ہوئے بولا۔

”میں عزیز آباد کی بستی سے بول رہا ہوں جناب۔“ دوسری جانب
 سے بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔ ”توقع تو نہیں تھی کہ آپ بلیں گے مگر۔“
 ”مختصر بات کرو۔“ عمران ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ”تم کہاں
 غائب ہو گئے تھے۔“

”وہی بتاتے جا رہا ہوں جناب۔“ بلیک زیرو نے کہا۔ پھر مختصر طور
 پر واقعات بتاتے ہوئے بولا۔ ”اب آپ جلد آجائیے۔“
 ”تم وہیں ٹھہرو۔ میں آ رہا ہوں۔“ عمران نے کہا اور رسیور کرپڈل
 پر ڈال کر بہ عجلت اٹھا۔ سلیمان کو کتوں کے متعلق ہدایت کرتا ہوا باہر
 نکل آیا۔

بلیک زیرو ڈبک پہنچے میں اسے پیشکش دس منٹ صرف کرنے پڑے۔
 ”کیا رہا۔“ اس نے پہنچے ہی سوال کیا۔

”وہ ابھی تک اندر ہی ہے۔“ بلیک زیرو نے سرگوشی کے لہجہ میں جواب دیا۔
 ”تباہی ہے؟“

”ایسا ہی لگتا ہے۔ ویسے میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔“

”چلو۔“ عمران اسے آگے دھکیلتا ہوا بولا۔

بلیک زیرو سمجھا تھا کہ شاید عمران عقی دوار کے سہارے اندر
 داخل ہوگا۔ مگر وہ اسے دروازے کی نگرانی کرنے کی ہدایت کرتا ہوا
 اندر داخل ہو گیا۔

اندر ٹوٹی ہوئی میز پر لمپ جل رہا تھا۔ اور پلنگ پر کوئی شخص
 اس طرح لیٹا ہوا تھا جیسے وہ سو رہا ہو۔ عمران نے چاروں طرف دیکھا
 اور اس کی نظر اچانک الماری میں رکھے ہوئے پیراتے جوتے کی طرف پھینکی۔
 جوتے سو فیصدی عمران کے تھے۔

عمران نے سیٹی بجانے والے انداز ہونٹ سکڑے۔ صرف سکڑے
 ہی نہیں بلکہ باقاعدہ سیٹی بجانے لگا۔ ردِ عمل کے طور پر سونے والا ہڑ
 بڑا کراٹھ کھڑا ہوا۔

پھر جیسے ہی اس کی نظر عمران پر پڑی وہ بری طرح بوکھلا گیا۔
 ”تم کون ہو۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

”قطعی دہین نہیں ہوں۔“ عمران نے چیخے ہوئے انداز میں کہا۔

”تمہیں کچھ اور پوچھنا یا کہنا چاہیے تھا۔“
 ”عمران۔!“ وہ پھر بولا۔

”یہ دوسری حماقت ہے۔ جب ایک چیز جانتے ہو تو پھر خواہ مخواہ
 زبان کو تکلیف دیکر کیوں آخر جی زیادہ کر رہے ہو۔“
 ”میں یہاں تمہاری موجودگی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ دفعتاً وہ
 شخص غصیلے لہجے میں بولا۔

عمران مسکرا دیا۔ ”تم گڑھے ہو۔“
 ”شٹ اپ۔ وہ حلق پھاڑ کر بولا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔“
 ”بکومت۔!“ ایک ایک عمران کا لہجہ بدل گیا۔ ”زبان کی حبش کے
 ساتھ اگر تم نے جسم کو بھی حرکت دی تو نتیجہ کے تم خود ذمہ دار ہو گے پھر
 اس کی نیپلون کی جیب کا اٹھاؤ اور واضح ہو گیا۔“
 ”اوہ۔۔ وہ شخص سنبھل گیا۔ پھر بولا۔“ میں اب تک نہیں سمجھ سکا ہوں
 کہ تم چاہتے کیا ہو۔“

”بہت اچھے۔۔۔“ عمران نے مضحکہ اڑاتے والے انداز میں کہا۔
 ”کیا میں اپنے جوتے والیس لیتے کا بھی خفا رہیں ہوں۔“
 عمران کے یہ کہتے ہی وہ چونک پڑا۔ پھر ریوالور کی پرواہ کے
 بغیر اس نے عمران پر چھلانگ لگا دی۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ ارے۔۔۔“ عمران ایک طرف ہٹ گیا۔
 مقابلہ اپنے ہی درمیان میں دوسری طرف آگرا۔

”ارے یا رکیا تم جانتے ہو کہ میری جیب میں ریوا لور نہیں بلکہ نیل ہے،“
عمران نے احمقانہ انداز میں کہا اور مقابل چونک پڑا۔

پھر تو وہ واقعی شیر نظر آنے لگا۔ یہ اطمینان کہ عمران کے پاس
ریوا لور نہیں ہے۔ اس کو شیر کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر جلد ہی وہ ہاتھ
لگا۔ عمران نے خوف کا مارا تھا۔ آخری جھلانگ میں جیب وہ کرسی کے پشت سے
ٹکرایا تو زمین پر گر کر اس سے اٹھانہ گیا۔

”تم کتوں سے بھی بدتر ہو مانی ڈیر مائی۔“ عمران نے طنز بہ انداز میں کہا۔
”کم از کم کتے اس طرح بانپ کر زمین پر تو نہیں ڈبھیر ہو جاتے تھے۔“
”ماٹو۔ اس شخص نے دہرایا۔ پھر بولا۔“ اوہ۔ تو تم مجھے پہچان گئے۔“
پھر پیٹھے پیٹھے اس نے بھر پور جھلانگ لگائی۔

یا تو جھلانگ غیر متوقع تھی یا عمران کے تیارے ہی گردش میں
آگے دھکے۔ مائو بس اس سے لپٹ ہی گیا تھا۔ عمران نے بہت کوشش کی کہ
وہ اس کی گرفت ڈھیلی کر سکے۔ مگر مائو شاید جھبلا یا ہوا تھا۔ اس نے
عمران کو بری طرح جکڑ رکھا تھا۔

دفعاً عمران کے منہ سے رو دینے والی آواز نکلی۔ پھر اس کا جسم
ڈھبلا پڑ گیا۔

مائو نے حیرت سے کچھ سوچا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ بس یہی
ایک موقع تھا۔ پھر جھلا ایک بار محات یا جانے کے بعد عمران دوبارہ کیسے
گرفت میں آتا۔ اللہ اب مائو کو اپنی حیرت خطوے میں نظر آنے لگی تھی۔

عمران نے کسی مشتاق مرد کو کی طرح ماٹو کو گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ماٹو بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا تھا۔

جسم بے حس تھا۔ صرف آنکھوں سے اس کی زندگی کا پتہ چلتا تھا۔ مگر

نہیں، سینہ بھی تو لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔

عمران کینہ تو نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ایتم خجہ کتوں کا مقصد سمجھاؤ گے۔“ اس نے سرسراتے ہوئے لہجہ

میں کہا۔

ماٹو تھوگ لگ کر رہ گیا۔

”دنیا میں آج تک مجھ سے بڑا کوئی ایکڑ پیدا نہیں ہوا۔“ عمران کر سی

پر بیٹھنا ہوا بولا۔ ”لہذا میرے سامنے ایکٹنگ بیکار ہی رہے گی پیارے کیا

سمجھے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا،“ دفعتاً ماٹو نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

”بہت اچھے۔“ عمران مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ پھر حبیب

سے ریوالبورنگال کر اس کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ ”کبھی کبھی پنسل ریوالبور

بھتی ثابت ہو جاتی ہے۔“

ماٹو حیرت سے ریوالبور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ اعتقاد یہ تین پانچ

کانتھا سا ریوالبور تھا جس کے متعلق عمران نے کہا تھا کہ پنسل ہے۔ اس

کی آنکھوں میں الجھن کے آثار پیدا ہو گئے۔ اگر یہ ریوالبور تھا ہی تو عمران

کو اس سے پہلے ہی کام لے لیتا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ ہاتھ پائی کیوں

کی گئی تو پھر... دفعتاً ماٹو سے ذہن میں ایک خیال ابھرا۔ تو ریو الوور
خالی ہے۔

عمران بڑے غور سے ماٹو کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ایک بیک
وہ ہاتھ اٹھا کر بولا "نہ... نہ یہ سوچنے کی حماقت بھی نہ کرنا کہ ریو الوور
میں گولیاں نہیں ہیں، پھر اس نے سانس کی دیوار میں نشانہ لگا دیا۔
گولی نہ صرف اچھا خاصا نشانہ لگا کر بلکہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ ریو الوور
میں سائبلر لگا ہوا ہے پس ایک جھٹ کی آواز پیدا ہوئی اور پس!،
ماٹو کی آنکھوں میں یہ لہری چھانکے گی۔
"تم کیا چاہتے ہو، وہ پھر اتنی ہوئی آواز میں بولا۔

"چوہوں کا مرتبہ تو تم کھلانے سے رہے۔ کتوں کے نشہ سے ہی
واقف کرو۔"
"کتوں کا نشہ۔"

"کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں، عمران چپتے ہوئے لمحہ میں
بولا۔

"یا تو کتے کے نشہ میں تھے یا میرے جسم میں کوئی محلول چھڑک کر
اتھیں صرف مجھ پر ہی حملہ آور رہوئے کا موقع دیا گیا ہے کیوں؟"
ماٹو پلکیں جھپکانے لگا۔

"دفعتاً عمران کا ہیمہ بدل گیا۔ باتوں میں دقت ضائع نہ کرو، وہ
سخت لمحہ میں بولا "تمہارے فرشتوں کو بھی تینہ نہیں ہو گا کہ مجھ پر حملہ کرنے

کا مقصد کیا ہے۔ تم مجھے صرف اس آدمی کا پتہ بتاؤ جس کے لئے تم کام کر رہے ہو۔“

مالو کچھ نہ بولا۔ البتہ اس نے سر جھکا لیا تھا۔
دفعۃً عمران کچھ بڑھا اور اگلے ہاتھ کا پھر پور ہاتھ رسید کرتے ہوئے بولا۔ ”تمہارے باپ کو بھی بتانا بڑے گناہ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو۔“

مالو کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ جبرے سے سرخ سرخ خون بہہ کر مٹھوڑی پر بہہ رہا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اگر اس میں ذرا سی بھی قوت ہوتی تو وہ عمران کو کسی حالت میں بھی زندہ نہ چھوڑتا۔

عمران نے فوراً ہی دوسرا ہاتھ رسید کر دیا۔
یا نووار کا ری تھا یا پھر مالو کو ہی عقل آگئی تھی۔ وہ خود ہی جھج پڑا۔ پاس۔ پس کرو۔ میں نہانا ہوں۔ پھر وہ حلق سے یہ مشکل تھوک نکلتا ہوا بولا۔ ”پاپ۔ پانی۔۔ ذرا پانی دو مجھے۔“
عمران چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر قریب رکھی ہوئی صراحی سے گلاس میں پانی آدھیل کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ مگر شاید مالو میں اتنی ہمت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ گلاس پکڑ سکتا۔ پھر اس کے سوا عمران کے پاس اور کیا چارہ تھا کہ وہ خود ہی اس کو پانی پلاتا۔
گلاس خالی ہوتے ہی مالو نے ایک طویل سانس لی۔ اور کچھ اس

طرح نظر آنے لگا جیسے بولنا چاہتا ہو مگر شروع کرنے کے لئے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

”تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔“ عمران ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

”صرف اس کا نام بتاؤ جس کے لئے تم کام کر رہے ہو۔“

”جیشید۔“ ماٹو کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”اوہ۔“ عمران کے لب مسکرا کر رہ گئے۔ ”رابرٹ بار کا بیٹھرا۔“

ماٹو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عمران نے بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر تاثرات کا

اندازہ کرنے کے بعد بولا۔ ”تم شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ خیر اسے بھی

دیکھ لوں گا۔“

پھر وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔

”ٹہرو۔“ ماٹو نے کراہتے ہوئے پکارا۔ ”تم نے کتوں کے متعلق

کچھ نہیں پوچھا۔“

”پھر تم ہی بنادو۔ ویسے آئنا میں جاتا ہوں کہ وہ کتنے صرف

ایک مخصوص بو پر چھپتے ہیں۔ انہیں مجھ سے کچھ سروکار نہیں۔“

”تم ٹھیک سمجھے۔“ ماٹو نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے

کہا۔ ”وہ دراصل۔“

مگر ماٹو کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ باہر گولیوں کے چلنے کی

آوازیں آ رہی تھیں۔

عمران کی پشتیانی پر کیریں ابھر آئیں۔ اس نے ماٹو کی طرف
 گہری نظروں سے دیکھا۔ مگر وہاں صرف حیرت ہی نظر آئی۔ جیسے
 اس کے لئے بھی گولیوں کا تبادلہ منہ پر ہو۔
 یک بیک عمران نے آوازوں کی طرح آواز نکالی اور دروازے
 کی طرف اوٹ میں ہو گیا۔
 اس کی آواز کا جواب آکر کی آواز میں فوراً ہی مل گیا۔ پھر
 اسے بلیک زیرو کی آواز سنائی دی۔ "وہ نکلا جا رہا ہے جناب یہ،"



عمران بری طرح بھونک رہا تھا۔ اور کتے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ سلیمان اور جوزف اس کے قریب بیٹھے پڑتے تھے۔ سلیمان کے انداز میں لاپرواہی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عمران اسی قسم کی اوٹ پٹانگ حرکتوں کا عادی ہے مگر جوزف بڑی سہروردانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”یاس۔۔ یاس۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”خدا کے لئے یہ منہوسیت ختم کرو۔“

”یہ تمہیں روز بروز کیا ہوتا جا رہا ہے۔“

”بھوں۔“ عمران اس کی طرف اس طرح پلٹا جیسے کاٹ کھانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور جوزف بولکھلا کر دوسری طرف الٹ گیا۔

”یاس۔ خدا کے لئے باز آ جاؤ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“ جوزف اٹھتا ہوا بولا۔ پھر سینے پر کمر اس نیتے ہوئے برٹ بڑایا۔ ”اے خدا اس شخص پر رحم کر۔“ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس کے جسم میں تو مانیہ کے خبیث روح لول کر گئی ہو۔۔۔ رحم۔۔۔ رحم۔۔۔ گاڈ رحم کر۔“

اے او۔ قومانیہ کی اولاد۔ یہ کیا بک رہا ہے، عمران اس پر الٹ پڑا۔

”تو یہ... تو بے کمر و باس۔“ جوزف کا تپتا ہوا بولا۔ پھر کان پکڑتا ہوا اگڑا گڑا یا۔ ”قومانیہ کی اولاد۔ ارے باس یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ جانتے ہو قومانیہ کون تھی۔“

عمران سے پہلے ہی سلیمان بول پڑا۔ ”تیری ہونے والی جورو ہوگی،“ چوپ کھلکھلے تھم۔ ”جوزف حلق پھاڑ کر دھاڑا۔“ جوزف۔ ”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“ عمران ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔ ”جلو تم لوگ جاؤ۔“

”نہیں باس۔“ جوزف مٹھیاں پھینچتا ہوا بولا۔ ”اس یا درچی کے بچے سے کہو کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے۔ قومانیہ میری جورو ہوگی۔ ارے باپ ارے۔“

”اے یہ قومانیہ ہے کون۔؟“

”باس۔ نہ پوچھو وہ کون تھی۔ ارے وہ ایک کتیا کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ مگر اس کی نسل ایک خنزیر سے ملتی ہے۔ تم نہیں سمجھو گے باس۔ دیکھو میں سمجھاتا ہوں۔ ایک جنگلی کتیا۔ اور ایک خنزیر۔ بھلا سوچو باس ان دونوں کا ملاپ کیا رنگ لایا ہوگا۔ بس اس ملاپ سے قومانیہ کا جنم ہوا۔ بد بخت قومانیہ... جس کا چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی دھڑ جنگلی کتوں کی طرح تھا۔ وہ ایک بد روح تھی باس۔ اس کا سایہ جس کے

سر پر پڑ جاتا۔ بس وہ بھی بھونکنے لگتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی دم بھی
بلنے لگتی تھی۔“

”اے۔“ عمران نے بوکھلا کر کہا۔ ”ذرا دیکھ تو جوزف میری
دم تو نہیں ہل رہی ہے۔“

”نہیں باس۔“ جوزف نے ہاتھ کی پشت پر دیکھ کر کہا۔ اور
سیمان کا تہقہ بے ساختہ آزاد ہو گیا۔

پھر اس سے پہلے کہ جوزف سیمان پر چھٹتا۔ عمران نے سختی سے ان
دونوں کو الگ الگ مٹھٹے کر کے۔

وہ اب پھرتوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ یک بیک کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی
سے قبضہ اتاری اور کتوں کے پنجرے کے سامنے اچھال دی۔ کتوں نے
ہلکی سی ”لف“ کی اور اسے گھور کر رہ گئے۔ اب عمران بیان اتار رہا
تھا۔ بیان بھی قبضہ کی طرح پنجرے کی طرف اچھال دیا گیا۔ لیکن کوئی
خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

پھر جیسے ہی عمران پینٹ اتارنے کے لئے جھکا۔ جوزف بوکھلا اٹھا
”یہ کر رہے ہو باس۔“

سیمان بھی متحیر تھا۔ اس کی عقل ضبط ہو گئی تھی۔

پینٹ بھی پنجرے کے سامنے آ پڑی۔ اس سے اتنا ضرور ہوا کہ کتے
بھونکنے لگے۔ مگر وہ پینٹ کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ بلکہ عمران کی طرف ہو

منہ کر کے بھونکتے چلے جا رہے تھے۔

”بیب... یاس۔“ جوزف نے لرزتے ہوئے کہا۔ ”اب انڈرویر
تہ آنا۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

عمران کے جسم پر واقعی اس وقت صرف انڈرویر تھا۔ سب گپڑوں
سے بے نیاز جسم اس قدر دلکش اور متناسب لگ رہا تھا کہ اگر جو لیا ہوتی
تو اس کے منہ سے بے ساختہ سسکی سی نکلی جاتی۔

”کیا ہم لوگ پردہ کر لیں۔“ سلیمان نے پوچھا۔ اور عمران کے لبوں
پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”شاید اب یہی کرنا پڑے گا۔“ وہ بولا۔ ”لیکن ٹھرو۔ ابھی نہیں۔“

پھر وہ اپنی گھڑی اتارنے لگا۔

”پھینکے گا نہیں۔“ سلیمان بتایا نہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ”لایے“

میں ان سالوں کے پتھر کے قریب رکھ آؤں۔“

پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جس ساخت کی گھڑی
عمران کے پاس ہے وہ ملک بھر میں نہ ملے گی۔

گھڑی نے بھی جیب کوئی کارنامہ انجام نہ دیا تو عمران کے چہرے پر
تشویش کے آثار نمایاں ہو گئے۔

”اچھا بیٹا۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”اگر اس بار بھی وہ نہ ہوا جو میں چاہتا
ہوں تو یقیناً خود کشتی کر لوں گا۔“

پھر وہ جوزف کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔ ”جوزف... میں یہ

انگوٹھی پنجرے میں پھینک رہا ہوں۔ اگر کتوں نے اس کو جھپٹنے کی کوشش نہ کی تو یقیناً میں تیری شادی ان دونوں سے کر دوں گا۔ کیا سمجھا۔؟“

”ب۔۔۔ بایں۔!“ جوزف تھوک نکل کر رہ گیا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں جوزف۔!“

”تمہیں کیا ہو گیا ہے باص! خدا کے لئے میری مائو اور شراب کی تین بوتلوں سے نہا کر یوان کا دھواں تاک میں ڈالو۔ فو مائے کی بد روح بھاگ جائے گی۔“

مگر عمران انگوٹھی پنجرے کے قریب اچھال چکا تھا۔

”ارے باپ رے۔“ جوزف بوکھلا گیا۔

وہ منطری ایسا تھا۔ پنجرے میں بند کئے خود بخوار شیروں کی طرح غرار رہے تھے۔ انگوٹھی پنجرے سے باہر تھی اور کتے بالکل اسی طرح سلاخوں سے پکڑے رہے تھے جیسے وہ انگوٹھی کو کسی بھی طرح حاصل کرنا چاہتے ہوں خواہ اس کے لئے انہیں کوبے کی سلاخیں ہی کیوں نہ توڑنی پڑیں۔

جند منٹ میں ہی کتوں کی پشٹانیال ہولہان پوگیٹس۔ مگر ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ بدستور اسی جوش میں غرارا کر انگوٹھی کی طرف لپک رہے تھے۔

عمران پنجرے کے قریب آگیا۔ مگر کتوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جیسے اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

عمران کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جھک کر انکو بھی اٹھائی اور اس میں لگے ہوئے نیکنے کو بغور دیکھنے لگا۔



دوسری طرف بلیک زیرو و عمران کی ہدایت پر صفدر، نعمانی اور خاور کو قون کرنے کے بعد اب تنویر کو رنگ کر رہا تھا۔

”بس سر۔!“ دوسری طرف سے تنویر کی آواز ابھری۔

”ستو! تم نے قوری طور پر مکان چھوڑ کر رابرٹ یا میں پہنچا ہے۔ وہاں صفدر، نعمانی اور خاور ہی قبل پہنچ چکے ہوں گے۔ تم کار بیکر جاؤ گے اور یار کے گیٹ سے الگ ہٹ کر کسی محفوظ جگہ کھڑے ہو کر صفدر، نعمانی اور خاور کے منتظر رہو گے۔ وہ لوگ وہاں کسی کی لاش لائیں گے۔۔۔ تم انہیں بے کردالتش منزل پہنچوں گے۔“

”آل رائٹ سر۔ مگر رابرٹ یا۔۔۔؟“

”کیا کہنے ہو۔؟“ ایکسیڈنٹ کی عمرانی ہوئی آواز آئی۔ کیا شہر کے بڑا نام ترین ہوٹلوں اور باروں کے متعلق تمہاری معلومات

صفر ہیں۔“

”جج... جناب۔!“

”کچھ نہیں۔ یہ تمہاری نا اہلی کا ثبوت ہے۔ سنو رابرٹ۔ بائر نکلسن رُڈ

پر واقع ہے۔ اب پوچھو کہ نکلسن رُڈ کہاں ہے۔“

”میں سمجھ گیا جناب۔“ تنویر نے تحقوک نگل کر کہا اور شاید

کار کے نمبر بھی تبدیل ہوں گے جناب۔!“

”تنویر تم گدھے ہو۔“ ایکسٹو کی آواز میں نہ صرف غصہ

بلکہ وارننگ بھی تھی۔ ”تمہیں اس کی سزا ضرور دی جائے گی۔ کیا یہ

معمولی قسم کی بات تھی۔“

”تنویر نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر بلیک زیرو نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

”تنویر کو ہدایت کرنے کے بعد اس نے عمران کے ہنر ڈائل کے

اور جواب کا انتظار رہا۔“

دوسری طرف سے فوراً ریسپور اٹھایا گیا۔

”میں نے سب کو ہدایات دیدی ہیں جناب۔!“ وہ بولا۔

”ایک دلچسپ بات سنو۔“ عمران اس کی بات کو نظر انداز

کرتے ہوئے بولا۔

”کنڈوں کو میری انگوٹھی سے پیار تھا، مجھ سے نہیں۔“

”میں سمجھا نہیں جناب۔“

”کنڈوں کا مطلب سمجھاؤں یا انگوٹھی کا۔“

”اوہ...“ بلیک زیرو نے کہا۔ ”تو کیا آپ یہ راز پلنے بیسے کامیاب ہو گئے کہ کسے صرف انکو مٹھنے کے سبب آپ پر جھپٹنے لگے۔“
 ”گڈ۔! عمران کی آواز میں تحسین کی جھلکیاں تھیں۔“ تم بہت جلد بات سمجھ جاتے ہو بلیک زیرو۔“

”شکر یہ جناب!“ بلیک زیرو نے کہا۔ پھر حیدر نے توقف کے بعد بولا۔ ”جناب! وہ پچھلی رات کے حملہ آور کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔!“

”میں بھی اس سلسلے میں ابھی اندھیرے میں ہوں۔“ عمران نے کہا۔
 مگر جیسا کہ میں نہیں مارے کے متعلق تفصیل بتا چکا ہوں۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رابرٹ بار کا منہ پر جھنڈا ہی ہو سکتا ہے۔“
 ”اگر ایسا ہی ہے۔“ بلیک زیرو بولا۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رابرٹ بار.....

”گھاس کھا گئے ہو کیا۔؟“ عمران ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

”جھنڈا کو بلا کون رہا ہے۔!“

”کیا...؟ بلیک زیرو کو کھلا گیا۔“ آپ کی ہدایات پر ہی تو صفر، نعمانی، خاور اور تیزیر کو بھیجا گیا ہے۔“

”بھیہ استعمال کرو بلیک زیرو۔۔۔ مقصد صرف نہ کام

اور جرموں کو آگاہی ہے کہ ہم ان تک پہنچ رہے ہیں۔“
 ”اوہ۔! بلیک زیرو کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ کچھ سوچ

کر بولا۔ ”مگر جناب اس طرح تو ہمارے آدمی اس کی نظروں میں آجائیں گے۔“

”بین بیری بار کہہ رہا ہوں کہ عقل استعمال کرو۔ ارے بھی جو شخص مجھ سے واقف ہے اور میری اندرونی طاقت کو جانتے ہوئے مجھ پر چالاکی سے حادثہ نما حملہ کر کے قتل کر دانا چاہتا ہے۔ اس کی نگاہ میں یقیناً میرے سب ماتحت ہوں گے۔“

”لیکن اگر جمشید پر زور ڈال کر اس سے ہی اٹکوا لیا جائے کہ اصل مجرم کون ہے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔“

”جمشید کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی۔“ عمران نے جواب دیا۔ ”میں جانتا ہوں کہ جمشید کس قسم کے مجرموں میں سے ہے۔ اسے محض آلہ کار بنایا گیا ہے۔ روپیہ بھر پور دیا گیا ہوگا۔ لہذا اس کو بہ جاننے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ قتل کی وجہ کیا ہے اور قتل کرانے والا کون ہے،“

”تو پھر۔“

”پھر یہ کہ ذہین کو ذہانت سے مارو۔ مجرم جو خود کو محفوظ سمجھتا ہے اسے بوکھلا کر اندھیرے سے نکال لاؤ۔ اس طرح بڑی آسانی سے وہ پھنس سکتا ہے۔ کیا سمجھے!“

”میں سمجھ گیا جناب!“ بلیک زبر نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا ”اور سنو۔“ عمران جلدی سے بولا۔ ”اگر جمشید قابو میں آجائے اور ہندو وغیرہ اسے دانش منزل میں لے ہی آئیں تو مجھے فوراً“

مطلع کرنا۔“
 ”آل رات سر۔“

۰

۰

۰

تنویر نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر مضبوطی سے جم کر بیٹھ گیا۔

بار کے اندر سے ہنگامہ کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔ تنویر سوچ رہا تھا کہ شاید بار میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دے رہی ہوگی۔ غالباً سب ہی حلق چھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

اس نے بار گیٹ کی طرف کی طرف دیکھا۔ لوگ اس طرح بدحواسی سے باہر بھاگ رہے تھے جیسے ملک الموت ان کے نواقیں میں ہو۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پھٹی رہ گئیں۔ لوگوں کے پیچھے درجنوں شہد کی مکھیاں اڑ رہی تھیں۔

تنویر کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ جیسے سب کچھ اسی کی سمجھ میں آ گیا ہو۔

شہد کی مکھیاں اب کافی تعداد میں باہر آ گئی تھیں۔ تنویر

نے جھپٹ کر کار کے شیشے پر چڑھ لیا۔ اور انتظار کرنے لگا۔ اسے بہت زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا۔ صفدر نے خود ہی دروازہ کھولا تھا اور کسی کو اندر داخل نہیں کرنے دیا تھا۔ اگلی نشست پر تنویر نے خاور اور نعمانی کو بٹھایا تھا۔

چند ہی لمحوں میں کار فرارے بھر رہی تھی۔

صفدر، خاور اور نعمانی نے اپنے چہروں سے سفیدی مٹا کر چہرے پر چمکے ہوئے کاغذ اکھاڑنے شروع کر دیے تھے۔ ہاتھوں کے دستانے وہ پہلے سے ہی اتار چکے تھے۔ شاید ان دستانوں اور چہرے پر چمکے ہوئے سفیدی کی طرح کاغذ کی وجہ سے ہی وہ ان شہدائی نگاہوں کے ڈنک سے بچ سکے تھے۔ البتہ جس شخص کو وہ لائے تھے۔ اس کے دو ایک جگہ سرخ سرخ نشانات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ لکھنویوں نے اسے ڈنک مارے ہیں۔

”زیادہ محنت تو نہیں کرنی پڑی۔“ تنویر نے ونڈا سکرین پر نظریں جماتے ہوئے بڑبڑایا۔

”نہیں۔“ خاور نے مختصر سا جواب دیا۔

”یہ سفیدی چہروں پر چمکانے والی بات بھی خوب رہی۔“ وہ منہ سے نکلا۔

”میرا خیال ہے کہ اگر ہم لوگ خاموشی سے راستہ طے کریں تو بہتر ہو گا۔“ صفدر نے بھرائے ہوئے مگر خشک لہجہ میں کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا شاید سب نے ہی اس کی بات سے اتفاق
کیا تھا۔

دانش منزل پہنچے ہی انہیں جمشید کو چھوڑ کر واپس جانے کا حکم
ملا۔ اور وہ سب واپس ہو گئے۔

:

:

:

بلیک رپر و کافون ملتے ہی عمران دانش منزل دوڑا چلا آیا۔
اسے توقع نہیں تھی کہ جمشید آسانی سے ہفتے چرٹھ جائے گا۔
جمشید دانش منزل کے مخصوص ساونڈ پر وفکرے میں بند تھا۔ جیسے
ہی عمران وہاں داخل ہوا وہ بری طرح چونک پڑا۔

”تت۔۔۔ تم۔“ وہ بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیوں۔؟“ عمران خود کو ٹپوٹتا ہوا بولا۔ ”کیا میری دم
نکل آئی ہے۔؟“

”تو یہ سب کچھ تمہارا چلایا ہوا چکر ہے۔“
 ”چکر کی بات چھوڑو پیارے۔“ عمران نے کہا۔ ”فی الحال یہ تباہ
 کہ تم نے مالٹو کی بقیہ ادائیگی کر دی یا نہیں۔“
 ”کون مالٹو۔ جمشید نے پوچھا۔ انداز بالکل ایسا تھا کہ احق
 سے احق آدمی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ایک تنگ کر رہا ہے۔

”بہت اچھے۔“ عمران نے کہا۔ پھر ایک کرسی پر پاؤں رکھتا
 ہوا بولا۔ ”تم سے کوئی گفتگو کرنی بیگوار ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم
 محض کرائے کے ٹوٹو ہو۔ اصل مجرم کون ہے؟ یہ تمہارے فرشتوں کو
 بھی پتہ نہیں ہوگا۔۔۔ خیر۔۔۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر سر ہلانے
 لگا۔ ایک بیک اس نے چٹکی بجائی اور شرارت آمیز انداز میں
 مسکراتے لگا۔

جمشید الجھن زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”میں ابھی آیا۔“ عمران نے اس طرح کہا جیسے کسی مہمان سے
 معذرت طلب کر کے باہر جانا چاہتا ہو۔ پھر وہ مرط ۱۱ اور باہر نکل آیا۔
 کمرے سے نکل کر وہ سیدھا بلیک زیر کے پاس آیا۔ پھر اس کو
 کچھ ہدایت دینے لگا۔ بلیک زیر و سنتا رہا۔ اور اس کی آنکھیں ہیرت
 سے پھیلنے لگیں۔

”اوہ۔“ اس کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ کچھ اور کہنا ہی چاہتا
 تھا۔ مگر عمران کے اشارے پر اس نے لبوں کو بند کر لیا۔



جھینڈنے بہ آہستگی دروازہ پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ اور دھیرے
دھیرے کھولنے لگا۔

"کتنے احمق ہیں یہ لوگ۔" وہ سوچ رہا تھا۔ "بڑے سائنٹفک
طریقہ سے مجھے اغوا کر لیا۔ اس عظیم الشان عمارت کے اس شاندار
کمرے میں رکھا اور بغیر دروازہ بولٹ کے مجھے چھوڑ گئے۔"
دروازہ کھول کر اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور گردن
باہر نکال کر دیکھنا شروع کیا۔

"کوئی نہیں ہے!" اس نے سوچا۔ اور دیوار سے چپکنا ہوا
آہستہ آہستہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ بیرونی دروازہ
کے متعلق اسے (بھی طرح علم تھا۔ وہ اتنا زیادہ ذہین نہیں تھا مگر یہ معلوم
کس طرح اس نے عمارت میں داخل ہوتے وقت عمارت کے داخلہ کے راستے
کو ذہن میں محفوظ کر لیا تھا۔

انتہائی محتاط انداز میں قدم بڑھاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اگر عمران دوبارہ کمرے میں آکر پھر لا پرواہی سے باہر نہ چلا جاتا تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا کہ کمرہ وہ کھلا چھوڑ گیا ہے۔ عمران جب دوسری بار اس کے پاس آیا تھا تو اس نے بڑے مخلص انداز میں اس کے کاروبار اور خاندان کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اس نے جب اپنی گرفتاری اور اغوا کے سلسلہ میں احتجاج کیا تھا تو عمران نے بڑی محنت سے بتایا تھا کہ وہ اس کو قتل نہیں کرے گا۔ پھر عمران نے خود ہی کہا تھا کہ وہ جانتا ہے کہ جمشید کے ہاتھوں سے کتنے قتل ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ گرفتاری اور اغوا اس سلسلے میں نہیں ہے۔

”پھر کس سلسلے میں؟“ جمشید نے جھلا کر کہا تھا۔
 ”دیصر ج مانی ڈیر جمشید! دیصر ج!، عمران نے پکارتے ہوئے کہا تھا۔ ”تم اگرچہ قاتل ہو مگر فی الحال قانون کی گرفت سے باہر ہو۔ لہذا میرا خیال ہے کہ کیوں تم ہمیں کسی حادثے کا شکار کر کے ختم کر دیا جائے۔ تم بہر حال قاتل ہو اور ہمیں سزا ملتی ہی ہے پھر نا تیر کیوں؟“
 ”گت... کیا۔؟“

”نہ... نہ۔“ عمران جلدی سے بولا۔ ”یہاں تمہیں اس لئے نہیں لایا گیا ہے۔ بس چند دن آرام کرو۔ مجھے اس آدمی کو تلاش کرنے دو جس نے تمہارے ذریعہ مجھ پر کتوں کا حملہ کروایا تھا۔“
 دفعتاً عمران کو سنبھلنا پڑا تھا۔ جمشید کسی معصوم بچہ کی

طرح چھپٹا تھا۔ پھر عمران بھی اس سے لپٹ گیا۔ خدا معلوم وہ خود لپٹا تھا یا جمشید نے پھلانگ ہی تاک کر لگائی تھی۔

خیز طحون تک عمران اس سے لپٹا رہا۔ حالانکہ وہ بڑی آسانی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ مگر تپہ نہیں ات تک وہ کیوں اسی طرح جمشید سے برسرِ پیکار رہا تھا۔

اچانک عمران نے ایک ہاتھ جھاڑ دیا۔
 دار بھر پور تھا۔ پھر کٹی پر پڑنے سے تو یقیناً جمشید کو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ وہ دھڑام سے زمین پر آگرا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی عمران غصیلے انداز میں مڑا۔ اور جھلاہٹ میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر سے اس نے زور سے دروازہ بند کیا جس کی بلند آواز جمشید تک بھی پہنچی تھی۔

جمشید نے اسی وقت تاڑ لیا تھا کہ عمران جھلاہٹ اور غصے کے سبب دروازہ نہ تو بولٹ کر کے گیا ہے اور نہ ہی باہر سے تالا لگایا ہے۔ بیرونی دروازہ قریب آ گیا تھا۔

جمشید نے چاروں طرف اطمینان کرنے کے بعد دروازہ سے باہر قدم نکال دیے۔ پھر جیسے ہی وہ کھلی سڑک پر آیا۔ اس نے قدرتی طور پر خود کو تازہ دم محسوس کیا۔ مگر یہاں ہر ٹا بہت زیادہ اچھا نہ تھا۔ اس نے جلد ہی قدم بڑھا دیئے۔

چلتے چلتے وہ ایک ایسی سڑک پر آ گیا جہاں زندگی کے آثار موجود

تھے موٹر کار میں اور دیگر شہری سواریاں دوڑتی پھر رہی تھیں۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹیکسی
آگے سڑک پر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کو کھڑی دیکھ کر وہ اس
کی طرف چل پڑا۔

ابھی ٹیکسی میں دس بارہ قدم کا فاصلہ تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا
جیسے کوئی نشتے اس پر سے چھلانگ لگا کر گذر گئی ہو۔ اس نے بوکھلا کر
چاروں طرف دیکھا۔ اور کانپ کر رہ گیا۔

ایک خوشخوار کتا اس کی طرف دوبارہ چھٹینے کی تیاری کر رہا تھا۔
جیشید نے بھاگنا چاہا۔ مگر کتے نے یہ موقع نہیں دیا۔ وہ غراتا
ہوا جھپٹا اور جیشید بلبلا کر رہ گیا۔

کتا اس کے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ٹک گیا تھا۔

جیشید کے حلق سے چیخ نکل گئی کتے کے نوکیلے دانت اس کے بازوؤں
میں پیوست ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے ہمت سے کام لے کر دوسرے
ہاتھ سے کتے کو ہٹانا چاہا۔ مگر اس کا نتیجہ بہت زیادہ خوشگوار
نہ نکلا۔

کتے نے غضب ناک انداز میں اس کے چہرے پر اپنا پنجہ مارا تھا
اور جیشید کا منہ لہو لہان ہو گیا تھا۔

ٹیکسی والا میٹر کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مگر شاید مداخلت
کرنے کی اس میں بھی ہمت نہ تھی۔ چاروں طرف بے شمار راہگیر بھی

جمع ہو گئے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے جمشید اس طرح بیدم ہو کر زمین پر گر پڑا جیسے جسم میں قوطی طاقت نہ رہی ہو۔ کتا بری طرح اس کا ہاتھ تھمھوٹ رہا تھا۔

اچانک جمع کے بیشتر لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

کتا جمشید کے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو منہ میں دبا کر فوراً ہی نکل گیا۔ ایک انگلی میں انگوٹھی بھی تھی۔ جیسے ہی کتے نے انگلیاں نکلیں۔ اس کے منہ سے عجیب قسم کی غراہٹ تھا آواز نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی جمشید کے برابر لمبا لپٹ گیا۔

جمشید کی طرح کتے کے جسم میں بھی حرکت معدوم ہو چکی تھی۔
 ”کھسک چلو۔“ عمران نے بلیک زیرو کا ہاتھ دبانے ہوئے سرگوشی کی۔ اور بھڑ سے یا ہر نکل آیا۔ ”پولیس آتی ہی ہوگی۔“
 ”ہوں۔“ بلیک زیرو نے بے خیالی میں کہا۔ وہ ابھی تک یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس دن عمران پر کتوں کا حملہ کامیاب ہو جاتا تو... یہ سوچتے ہی اس کے جسم میں سستی سی دوڑ گئی۔

اسی شام عمران قیاض سے ملا۔

مفتقد اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا کہ اس واقعہ کی نشہر کرانی جاسکے۔

”مگر تمہیں اس معمولی سے واقعہ سے دلچسپی کیوں ہے۔؟“ قیاض

نے پوچھا۔

”کیوں؟ کیا تمہیں گزشتہ واقعات کا علم نہیں ہے کہ کتے مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ تو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کتے پر کون ہے۔ میں نے ذاتی طور پر کافی تحقیق کی ہے مگر نتیجہ صفر ہی نکلا ہے۔“

”اسی لئے تو کہتا ہوں کہ محکمہ سرائرسا نی میں کیپٹن کا عہدہ تمہارے لئے بٹائز نہیں ہے۔“ عمران نے چھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”فیاض چھینپ کر رہ گیا۔“

”تم چاہتے کیا ہو؟“ وہ بولا۔

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اس واقعہ کی تشہیر کی جائے۔“

”ٹھیک ہے کل کے اخبارات میں بح فورٹ تشہیر ہو جائے گی۔ مگر

اس سے کیا حاصل؟“

”مزید کتے تشہیر میں بھونکیں گے۔“

”کیا مطلب؟“

”کنز کا مطلب تباؤں یا بھونکنے کا۔“

پھر عمران بہت دیر وہاں نہیں رہا۔ فیاض روکتا ہی رہا۔

مگر عمران کی مٹاٹا کے آگے کس کی چل سکتی تھی۔

عمران کا ذہن بوجھل ہو رہا تھا۔

وہ جمشید کی موت نہیں مٹتی۔ بھلا ایک ایسے قاتل کی موت سے
عمران کا ذہن کیوں بوجھل ہوتا جو قتل کرنے کے بعد بھی گرفت میں نہیں آسکا
تھا۔ عمران جانتا تھا کہ جمشید کے ہاتھوں سے ایک قتل ہو چکا ہے۔ مگر پولیس
کوئی ثبوت حاصل نہ کر سکی تھی۔ ویسے بھی یہ کام سول پولیس کا تھا لہذا
عمران کو ٹانگ اڑانا ضروری نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمشید صاف بچ گیا تھا۔
مگر عمران پر جیسے ہی کنوئیں کا حملہ ہوا اور اس میں جمشید ملوث پایا گیا
عمران نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس کو نہ چھوڑے گا۔ قتل کرنے کے بعد
بھی صاف بچ نکلنا قاتل کے لئے اور زیادہ دلیری کا باعث بنتا ہے۔
پھر یہی ہوا کہ عمران نے وہ انگوٹھی جس پر کتے بھونکتے تھے۔

جمنید کی انگلی میں اس وقت پہنادی تھی جبکہ وہ عمران پر دانش منزل کے ساؤنڈ پر روت کمرے میں جھپٹا تھا۔ اس کے بعد اس نے خود ہی جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا تھا اور اس طرح جمنید کو اندھیرے میں رکھ کر اس کو صاف نکل جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ کتے اس کے پاس پھرے میں ہی تھے۔ ایک کتا اس راستے پر چھوڑ دیا گیا تھا جس راہ سے جمنید کو لکھنا تھا۔

لیکن کتا جمنید کی انگلیاں کاٹ کر نکل جائے گا۔ یہ بات عمران کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ اور اسی وجہ سے اس کا ذہن متفکر ہو رہا تھا کہ انگلی کھٹی خواہ مخواہ صالح ہو گئی۔ اور یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انگلی کھٹی کی کس کشش سے کتے اس کے لئے بنیاد ہوئے تھے۔

اچانک وہ چونک پڑا۔

فلپٹ کا دروازہ بلند آواز میں کھلا تھا اور سلطانہ دیوانہ کی طرح داخل ہوئی تھی۔ وہ تیر کی طرح عمران کی طرف آئی۔ مگر اس کے قریب پہنچتے پہنچتے قریب کی کرسی سے ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ عمران لپک کر اٹھا اور اسے سنبھال کر کرسی پر بٹھا دیا۔ سلطانہ نیم بیہوشی کے عالم میں کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ عمران نے نشوونش انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ پھر سلیمان کو لپکا کہ اس نے ٹھنڈا پانی طلب کیا اور اس کے چہرے پر چھینے دینے لگا۔ سلطانہ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے پھر آہستہ آہستہ وہ ہوش میں آنے لگی۔ عمران کے

انہارے پر سلیمان پہلے ہی کھسک چکا تھا۔
 کچھ دیر بعد سلطانہ مکمل طور پر ہوش میں آگئی۔ وہ عمران کو
 بڑی عجیب نظر دے دیکھ رہی تھی۔ عمران نے بھی براہ راست
 اس کی آنکھوں میں دیکھا اور معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔ یک
 بیک سلطانہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں
 سے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ حسیم کے ارتعاش سے یہ بھی تپہ چلنا تھا کہ
 ہچکیاں بھی جاری ہیں۔

سلطانہ ہچکیاں لیتی رہی اور عمران بور ہوتا رہا۔ وہ اس وقت
 کا انتظار کر رہا تھا جب وہ اپنا رونامہ ختم کر کے کوئی نئی کہانی
 سناے۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ سلطانہ نے جو کہانی سنائی اس پر عمران کو
 اچھل جانا چاہیے تھا۔ مگر وہ اس قسم کے آدمیوں کی طرح نہیں تھا جو
 اپنی افسرانہ کیفیت پر تابو نہ پاسکتے ہوں۔

O

ایکسٹریکٹ کے تمام ماتحت اس نے حکم پر منتظر تھے جس کے تحت انہیں شام تک ایر پورٹ پہنچ کر اس خصوصی طیارے میں سفر کرنا تھا جو صرف اس کے لئے وقف کر دیا گیا تھا۔ مگر اس سے زیادہ حیران کن حکم یہ تھا کہ فی الحال واپسی تک ان سب کو عمران کا ماتحت رہنا تھا۔ گویا عمران ان سب کے چیف کی حیثیت رکھتا ہے۔

شام کے ٹھیک پانچ بجے طیارے نے حرکت کی اور جینرل منٹ بعد ہی اودھوا کی لا محدود وسعتوں میں اڑنے لگا۔ اسے بھر کوئی خاص بات روتا نہ ہو سکی۔ یہ معلوم کیوں عمران کی سنجیدگی سب کو ہی پراسرار لگ رہی تھی۔

دفعۃً انہیں چونکنا پڑا۔ طیارہ میں نصب مائیکروفون ایک ایسی آواز نشر کر رہا تھا جو سو فیصدی ایکسٹریکٹ سے مشابہہ تھی۔ ایکسٹریکٹ کہہ

تھا۔ تم سب اس وقت ایک ایسی ہم پر جا ہے جو اگر کامیاب ہوگی تو
ملک و قوم پر ایک عظیم احسان ہوگا میں اس وقت تفصیل تو نہ بتا سکیں
گا مگر اتنا سمجھ لو کہ پڑوسی ملک جو ہمارا دشمن بھی ہے ہم پر جارحانہ حملہ
کرنے کی عرض سے خود ہمارے ملک کے بنائے ہوئے سفیاء ہمارے ملک
کے وطن فروشوں سے حاصل کر رہا ہے۔ ہمارے ملک میں ان دلوں
انتہائی وسعت کے ساتھ فوجی سفیاء اور دفاعی انتظامات کے لئے جنگی
جہاز تیار ہوتے ہیں وہ سب ملک و قوم کی امانت ہوتے ہیں۔ مگر ہمارے
ان سفیاءوں میں سے بیشتر وہ دشمن ملک ہمارے ہی لوگوں کے ذریعہ
حاصل کر رہا ہے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وطن فروش بہترین اور
خطرناک قسم کے سفیاء ان فالتو اور بریکار یروزوں اور لکڑوں میں ڈال
دیئے ہیں جو کرن وغیرہ کہلاتی ہیں۔ لہذا ایسے وقعت چیزیں ادنی قیمت
پر فروخت کر دی جاتی ہیں اور پھر انہیں لا پرواہی سے اٹھا کر ان سے
کام لیا جاتا ہے۔ مگر یہ تمہاری ہم اس لئے نہیں ہے کہ تم ان فالتو یروزوں
اور بریکار کترنوں سے کار آمد اور خطرناک سفیاء چنو۔ بلکہ اس بار اس
ملک نے انتہائی چالاکی سے وہ جدید ترین جہاز حاصل کرنے کا پلان
نیا بنایا ہے جو اس ایچی و نیامیں ایم بم کی طرح خطرناک تو نہیں البتہ اپنی
توعیت کا خطرناک ترین بمیاء جہاز ہے۔ ہم کی کامیابی کے ضروری ہے
کہ میں تمہیں اس جدید ترین جہاز کی تیار کاریوں کے متعلق آگاہ کر دوں
جس کی تفصیل تک ملک بھر میں صرف سات آدمیوں کو ہے یا پھر جہاز

تیار کرنے والے اٹھارہ انجینروں کو... ستویہ جہاز دیکھتے ہیں ایک
 عام بمبار جہاز کی طرح ہے۔ مگر تمہیں یہ شکہ حیرت ہوگی کہ اس میں کوئی بم
 نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی ڈیٹا ملٹ! جدید سائنسی طریقوں کے تحت
 اس کو ریڈیائی لہروں کے ذریعہ کنٹرول میں رکھا جاتا ہے اور اسی کے
 تحت اس کی رفتار اور اس کا رخ بدلا جاتا ہے۔ اس جہاز میں تقریباً
 ایک ہزار چھوٹے چھوٹے جہاز بند ہوتے ہیں۔ دشمن کو شکست دینے
 کے لئے اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی ایئر پورٹ کے اس کو
 جہاں سے چاہے اڑا کر جس رخ پر چاہے بھیجا جاسکتا ہے۔ مقررہ جگہ پر
 پہنچ کر یہ جہاز خود بخود نقصا میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اور اس کے
 ٹکڑے ہونے ہی اندر چھوٹے چھوٹے جہاز حرکت میں آجائیں گے۔ یہ جہاز
 بھی ریڈیائی لہروں سے کنٹرول ہوں گے پھر یہ جہاز پورے شہر پر چھا
 جائیں گے اس کے بعد اچانک یہ شہر کے مختلف جگہوں پر گر جائیں گے۔
 ان جہازوں کے ایک ایک پرزے اور ایک ایک جگہ پر بارودی اسلحہ
 بھرا ہوا ہوگا۔ جیسے ہی یہ گریں گے اپنے ساتھ ہولناک تباہ کاری
 پھیلائیں گے۔ اور اس طرح ہم بغیر ایٹم بم کے بھی ایٹم بم کی طرح
 ایک پورے شہر کو محض ایک جہاز سے تباہ کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس
 چونکہ ایٹم بم تیار کرنے کے اتنے زیادہ وسائل نہیں ہیں۔ لہذا یہ جہاز
 ایک ایٹم بم کی مانند ہی سمجھا جائے گا۔ یہ بات تم سب جانتے ہو کہ
 ہمارا ملک کسی پر جارحانہ حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ مگر اس کا

مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ دشمن کا سامنا کرنے کی سکت سے بھی محروم رہے۔ اس دور میں جو یقیناً ایٹمی دور کہا جاسکتا ہے ضروری ہو گیا ہے کہ اپنے دفاع کے لئے ہم ہر طرح چوکس اور مضبوط رہیں کیونکہ آج کے زمانہ میں کمزور کو اور زیادہ دیا یا جاتا ہے۔ اس دنیا میں کمزور پر زندگی اجیرن کر دی گئی ہے اسے بزدل کہا جاتا ہے۔ اور یقیناً ہم خود کو کمزور بن کر بزدل نہیں کہلا سکتے۔ ہاں تو یہ کہہ رہا تھا چند ہی دنوں میں اس جہانہ کو دشمن ملک اپنے وسائل کے ذریعے ہمارے ملک سے اڑانا چاہتا ہے اور ہم نے اس ناپاک سازش کو ناکامیاب بنانا ہے۔ تمہیں کیا کہنا ہے؟ یہ بات عمران جانتا ہے۔ اور تم سب فی الحال اس کے ماتحت رہو گے اور بغیر کسی آپسی رنجش کے اس کے حکم کو بلا تامل بجا دو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔ اور ہاں اس مہم میں میں خود بھی شامل ہوں۔ اور وقتاً فوقتاً تم سے رابطہ قائم رکھنا رہوں گا۔ اور انیڈ آل۔

آواز بند ہو گئی اور ٹیلی کے اندر موت کا سا ساٹا چھا گیا۔

❖

❖

❖

طیارہ اس وقت ایک ریلے میدان کے اوپر سے گزر رہا تھا۔
اچانک طیارہ کے اندر لگا ہوا سرخ بلب اسپارک کرنے لگا اور

عمران چونک پڑا۔ پائلٹ کی آواز سب کو ہی سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا: "ہمارے جہاز کو گھیرا جا رہا ہے۔ ارد گرد تین طیارے ہمیں نیچے اترنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔ فی الحال نزدیک میں ہمارا کوئی ہوائی اڈہ نہیں ہے اس لیے ان کو باخبر نہیں کیا جاسکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" عمران بول اٹھا۔ "تم طیارے کو ان کی ترسے نکال کر تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ جیڈ میل دور ہی ایک ہوائی اڈہ ہے اس کو خطرے کا سگنل دیا جاسکتا ہے۔"

"بس کوشش کرتا ہوں،" پائلٹ کی آواز ابھری۔ پھر فوراً ہی جہاز میں بیٹھے ہوئے افراد کو فلا بازی کھانی پڑی۔ شاید پائلٹ نے فوراً ہی جھکائی لی تھی۔

"کیا رہا؟" عمران بولا۔

"فی الحال تو ان کی دسترس سے نکال لایا ہوں۔ مگر میں دور سے

مزید کچھ طیارے دیکھ رہا ہوں۔"

"اوہ.. وہ شاید گھیر رہے ہیں کیوں؟"

"ایسا ہی لگتا ہے،" پائلٹ کی آواز ابھری۔ دیکھیے وہ نزدیک

آ رہے ہیں۔"

"ان کی تعداد کیلے۔"

"تقریباً سات۔"

"اوہ۔" عمران نے دانتوں سے نچلاب دیتے ہوئے کہا پھر بولا

”کوئی راہ نہ دکھائی دے تو بلا جوں چہرا ان کے اشاروں پر عمل کرو۔“
 ”آل رائٹ! ویسے دیکھئے زمین جہاز موڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔“
 جہاز کو پھر جھٹکا لگا۔ دیر تک یوہی جھٹکے لگتے رہے۔ اور وہ سب
 ادھر ادھر دوڑتے رہے۔

”نہیں جناب!“ پائلٹ کی آواز میں مایوسی تھی۔ ”اُمّارے بئیر
 کوئی چارہ نہیں ہے۔“
 ”ٹھیک ہے اُمّارے۔“

جہاز آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ
 زمین سے لگ گیا۔ اگرچہ اس زینیلی جگہ پر جہاز اُتارنا خطرناک تھا مگر
 اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا۔ ؟

محاصرہ کرنے والے جہازوں میں سے دو جہاز اس کے ساتھ نیچے
 اترے باقی کم بلندی پر پرواز کرتے رہے۔ جہاز سے نکلنے ہی انہیں
 قیدیوں کی مانند گرفتار کر لیا گیا عمران کی ہدایت پر کوئی مُزامحت ہمیں کی گئی
 تھی۔ مگر عمران کے علاوہ وہ سب ہی حیران تھے کہ اس جہاز میں انہوں نے
 ایکسٹروکی آواز سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اس میں ہے مگر پائلٹ
 کے علاوہ کوئی اور تیار فرد نہیں نکلا۔ تو کیا پائلٹ کے بھی میں ایکسٹرو
 ہے ؟ مگر انہیں بہت زیادہ سوچنے کا موقع نہیں مل سکا۔ انہیں دھکیل
 کر دوسرے جہاز میں بٹھا دیا گیا۔ ویسے کچھ سی دیر میں یہ بات سب
 کی سمجھ میں آگئی تھی کہ پائلٹ کے روپ میں ایکسٹرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ

یاسٹلٹ نے عمران سے جس انداز میں گفتگو کی تھی وہ حکیمانہ نہیں تھی۔
 بلکہ ایسی تھی جیسے وہ عمران کا ماتحت رہا ہو۔ پھر ایکسٹو کہاں تھا۔ تو
 کیا وہ جہاز میں ہی ہے؟ جو لیا سوچتی رہی مگر کسی ایک فیصلے پر قائم
 نہ رہ سکی۔

کچھ ہی دیر بعد جہاز ایک ایسی جگہ اتر اچرا کر چھ میدانی جگہ تھی مگر چاروں
 طرف پہاڑیاں اس میدانی جگہ کو اس طرح گھیرے ہوئے تھیں کہ دور
 سے یہ بھی پہاڑی لگتی تھی جہاز سے آتا کہ یہ لوگ ایک قید خانے میں پہنچا دیے
 گئے! جو اگرچہ تمام پتھر کا تھا مگر اس کا دروازہ آہنی تھا مضبوط قسم
 کا آہنی دروازہ جو شاید قیدیوں کے لئے ہی بنا تھا۔



۵

دروازہ بند ہوتے ہی عمران نے اس طرح انگریزانی کی جیسے اپنے
 کمرے میں آنے کے بعد تنہائی میسٹر ہو گئی ہو۔ پھر وہ اپنی قمیض کے ٹکڑے
 کھولنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے سونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ جہاز
 کی سنجیدگی شاید ہوا ہو چکی تھی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو۔“ دفعتاً جویا بولی۔
 ”ہاں۔ تم لوگ یہاں کہاں۔؟“ اس نے بوکھلا کر دوبارہ
 قمیض پہنی۔

”یہ نہ بھولو تم اس وقت ہمارے چیف ہو۔“ متویر نے
 طنز یہ انداز میں کہا۔

”چیل۔؟ عمران نے دہرایا۔ پھر گال پٹیتا ہوا بولا۔ ”تو یہ
تو یہ کیا کہہ رہے ہو خنزیر ڈیر۔؟“
خنزیر مبتلا تنویر کو کھل گیا۔ ”تمہاری تو ایسی نیسی۔“ وہ غراتا
ہوا اٹھا۔

”کیا کر رہے ہو یاد۔“ صفدر درمیان میں پڑتا ہوا بولا۔ ”ہم
یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں۔!۔“

”لیکن اس سے کہہ دو کہ یہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔ ہم ایکسٹو
کے ماتحت ہیں اس کے نہیں۔“ تنویر آپے سے باہر تھا۔

”مگر ایکسٹو کے ماتحت ہی ہم عمران صاحب کو چیف سمجھنے میں

مجبور ہیں۔“ صفدر نے کہا۔ ”ہم سب کو ان کا حکم ماننا ہو گا۔“

”یہ کیا حکم دے گا۔“ تنویر پھر مضحکہ اڑانے والے انداز میں

عمران کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ”کہیے چیف صاحب کیا انے

دیواروں سے سر چھوڑیں یا دروازہ پر زور آزمائی کریں یہ،

”تم بھی کر دو گے۔“ دقتاً عمران سانپ کی طرح پھپھکارا۔

پھر اس کا چہرہ.... خدا کی پناہ صفدر تک لڑ گیا۔ اور جولا۔

اس کو تو تنکرا ل والا عمران یاد آ گیا تھا۔۔۔ زندگی سے بھرپور

آنکھوں میں وحشت اور دیوانگی۔۔۔“

خود تنویر تک خوفزدہ سالک رہا تھا۔ خدا معلوم یہ

عمران کی سحرزدہ آنکھوں کا اثر تھا کہ سب ہی اس سے آنکھیں ملاتے

ہوئے تزار ہے مہتی۔ یک بیک عمران دوبارہ اسی انداز میں بولا۔
 ”تنویر تم یقیناً دروازہ سے سر پھوڑو گے۔۔۔ آپکی رنجش میں تم
 بھول جلتے ہو کہ یہ وقت اس قسم کی حرکتیں کرنے کا نہیں ہوتا۔
 کیا تمہیں ایکسٹو کی بنائی لڑہ تیز تفصیل یاد نہیں۔ چلو۔۔۔ میں
 کہتا ہوں چلو۔۔۔ تم دروازے سے سر پھوڑو۔۔۔ چلو جلدی کرو۔“
 تنویر نہ سمجھنے والے انداز میں تیچھے مٹا۔ اور عجیب بیچاری
 کے عالم میں دروازے کی طرف کھسکتا چلا گیا۔ جیسے ہی وہ دروازہ
 سے لگا۔ عمران بڑے زور سے دباڑا۔ ”ٹکڑاؤ۔“
 خدا معلوم عمران کی آواز میں کیا جادو تھا۔ خود بخود تنویر
 کا سر دروازہ سے ٹکرا گیا۔

پھر عمران ان سب لوگوں کی طرف مڑا۔
 ”چیخو۔۔۔ چیخو۔ حلق پھاڑ کر چیخو۔“ وہ خود بھی حلق پھاڑ
 کر دباڑا۔
 ”تم۔۔۔ تم یا گل ہو گے ہو عمران۔“ جو لیا پکیپاتی ہوئی آواز
 میں بولی۔

”یکو منت جس طرح میں کہتا ہوں کرو۔ ہم اتفاق سے ان ہی
 لوگوں سے ٹکرائے ہیں جو اس خطرناک سازش سے تعلق رکھتے ہیں
 جس کی تفصیل ایکسٹو نے بتائی تھی۔ ایسی صورت میں اب ہمیں سے
 ٹھیکنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ صرف اس قید خانے سے نکلنے

کی ضرورت ہے ... میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ زیادہ تعداد میں نہیں ہیں۔ لہذا ہم ان سے بیٹھ سکتے ہیں۔ آں ہاں میں سمجھ رہا ہوں کہ انہوں نے ہمیں تہتا کر دیا ہے۔ مگر تم میں سے کسی کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔ تمہارے جسم پر موجود لباس کا ہر ٹین ایک بم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر تم مختسوس کر دو تو تمہیں تپہ چلے گا کہ یہ مخصوص لباس جس کو پہننے کی ہدایت ایکسٹو نے کی تھی ... اس میں تقریباً دو درجن ٹین ہیں ... کیا سمجھے؟ ہاں تو اب تم لیس چیخو۔ حلق پھاڑ کر پھاڑ کر چیخو اور اس وقت تک چیخے رہو ... جب تک دروازہ نہ کھل جائے۔“

پھر وہ قید خانہ واقعی چیخوں سے لرز اٹھا۔ وہ سب ہی بری طرح چیخ رہے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد دروازہ میں چابی کی نال گھومی، اور عمران بولا۔

”صفدر، خاور ترکیب تمہاری۔“

جیسے ہی دروازہ کھلا تین آدمی ٹامی گن لئے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کو دیکھتے ہی وہ سب چیخے چیخے نہ کھڑے کیا۔

”کیا ہے۔؟“

ایک نے چیخ کر پوچھا۔

جواب میں عمران، صفدر اور خاور نے اتنی پھرتی سے

چھلانگ لگانی کہ وہ ٹامی گنوں کا استعمال کیے بغیر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ عمران، خاور اور صفدر بلیوں کا گلا گھونٹ رہے تھے۔ جینٹل میں ہی مقابلے حس و حرکت ہو گئے۔ خاور، صفدر اور عمران نے ٹامی گنوں پر قبضہ کر لیا۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ سب ہی حیران رہ گئے تھے۔

”چلو۔“ عمران نے داہنی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ دور جا کر ایک بند دروازے کی طرف بڑھ کر عمران نے ٹامی گن سے دروازے پر دھک دی۔ باقی لوگ آنے والے خطرے سے دوچار ہونے کے لئے پوزیشن لیکر کھڑے ہو گئے۔

دھک سے دروازہ کھلا، اور پہرے دار قسم کا شخص چونک بڑا۔ اس نے اپنے کندھے پر پڑی ہوئی ٹامی گن کو چھوایا تھا کہ عمران کی سرد آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ ”ہاتھ اوپر اٹھا کر کھڑے ہو جاؤ۔“

پہرے دار غفلت نہ تھا۔ اس نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بلند کر دیے۔ جینٹل بعد وہ بھی اسی جگہ نظر آیا جہاں اس کے دیگر ساتھی پہنچ چکے تھے۔

”تنبویر۔ تم اس کی ٹامی گن سنبھالو۔“ عمران نے کہا۔ اور تنبیر نے بے چوں چیراں اس پر عمل کیا۔

”عمران۔ اے، وقتاً بوقتاً اس کے قریب کھسکتی ہوئی بولی۔
”تمہیں کس طرح پتہ چلا کہ یہی خبرموں کی جگہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم
کسی اور محرم سے ملکر آگے نہوں۔“

”مجھے اس جگہ کا نقشہ معلوم ہے۔ اے، عمران بولا۔ ہم اوپر
جہاز سے اس جگہ کی شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ بہتر سی جگہ کہ وہ
لوگ ہمیں پکڑ لائے۔ ورنہ شاید ہم ٹھیکے رہتے۔ اے،
”مگر ان لوگوں کو ہمارے ارادے کی کس طرح خبر لگی۔ اے،
”یہ میں کیا تیا سکتا ہوں۔“

”وہ آگے بڑھتے رہے۔۔۔ مگر ارد گرد کوئی نظر نہیں آیا
تھا۔ چاروں طرف سائے کی چھائی تھی۔
”اب آپ کو کس کی تلاش ہے۔؟“ صفدر نے لب کشائی
لی۔

”میرزا سم علی کی۔ اے،
”کیا۔؟“

”ہاں۔ وہ سچی مجسٹریٹ ہے!۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔ کنٹرول روم!
ان اچانک دہنی طرف بنے ہوئے پتھر یلے مکان کو دیکھ کر
ٹسکا۔ اے!

پھر اس سے پہلے کہ وہ لوگ اس کی طرف بڑھتے۔ مکان کی
ف سے زبردست گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔

”سنجھو....!“ عمران چیخا۔ اور زمین پر لیٹا ہوا دوسری طرف نکل آیا۔

عمران کی آواز سننے ہی سب زمین پر لیٹ گئے اور جلد ہی پوزیشن لے لی۔

مکان سے گولیوں کی بوچھاڑ ابھی تک ہو رہی تھی۔ البتہ عمران نے اس کے کسی ساتھی نے ابھی تک جوانی حملہ نہیں کیا تھا۔
”کیا ارادے ہیں؟“

صہدہ نے پوچھا۔

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ صرف اس مکان کے میکن کو

بکڑتا ہے۔!“

”یہ لوگ کون ہیں؟“

”سازش کے محرک۔!“

”ادہ تو کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔!“

عمران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر بڑبڑایا۔ اس طرح تو وقت گزرنا چاہئے گا۔ اس کے پاس میگزین کی کیا تھی۔!“
صہدہ کچھ نہ بولا۔ وہ عمران کے حکم کا منتظر تھا۔

”مکاری۔!“

عمران یائیں آنکھ دباتا ہوا بولا۔ پھر سرگوشی میں صہدہ سے
کچھ کہنے لگا۔

صفر رتے اثبات میں سر ہلایا اور مکان کی طرف دیکھنے لگا
جہاں سے اب گولیوں کی بوچھاڑ ختم ہو چکی تھی۔ پھر اس نے قریب
پڑا ہوا پیچھا اٹھایا اور دوڑے مارا۔

پیچھر کی آواز کے ساتھ ہی مکان سے پیچھر بوچھاڑ ہوئی اور
ساتھ ہی صفر کے منہ سے دلہوڑی سچا بھری۔ اس کے بعد عمران
نے خاور اور نعمانی کو اشارہ کیا۔ انہوں نے بھی اسی طرح پیچھر
اٹھائے اور پھینک دیئے۔ گولیوں کا پیچھر ملہ ہوا اور خاور اور
نعمانی کی جیتیں فضا میں بلند ہو گئیں۔

دفعۃً عمران اپنی جگہ سے اٹھا اور زمین پر تر دوڑنے سے
پیر مارا ہوا چلتا۔

”بھاگو۔“ ساتھ ہی اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ
کر دیا تھا۔ پھر وہ سب ہی اس طرح زمین پر سر پٹنے لگے جیسے واقعی
بھاگ رہے ہوں۔ گولیاں پیچھیلیں اور عمران کے ساتھ سب نے ہی
اس طرح چیخیں ماریں جیسے گولیوں کا شکار ہو گئے ہوں۔
کافی دیر تک بالکل سناٹا رہا۔

سب لوگ دم سادھے منتظر تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد مکان
سے ایک سائے نے سرا بھارا۔ پیچھر ارد گرد دیکھنے کے بعد محتاط
قدموں سے باہر نکل آیا۔ اس کے ہاتھ میں ٹامی گن موجود تھی۔
وہ حیران نظروں سے چاروں طرف اس طرح دیکھ رہا

تھا جیسے متوقع لاشوں کو بپا کر حیران ہو رہا ہو۔ اچانک ایک بہت بڑا پتھر رٹاٹے سے آیا اور ٹامنی گن سے ٹکراتا ہوا ٹامنی گن کے ساتھ ہی زمین اُگرا۔

”خبردار۔“ دفعتاً عمران اُڑنے نکل آیا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ اب تم بالکل نہتے ہو۔“

”ہاں۔“ سائے نے سیاٹ لہجے میں کہا۔ ”مگر میری طرف بڑھنے کی حماقت نہ کرنا، ورنہ درجنوں گولیاں تمہارے جسم میں پیوست ہو جائیں گی۔“

”وہ کس طرح پیارے ہے؟“

”دکان میں ایک درجن میرے ماتحت صرف میرے اشارے کے منتظر ہیں۔“

”ادہ۔۔۔۔۔!، عمران اُگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”تو انہیں حکم دو کہ وہ میرے جسم میں ایک درجن گولیاں داخل کریں۔ بھیڑ واہ ایک درجن گولیاں۔ کیوں صفدر ڈیر ایک درجن گولیاں سے کتنے کی فردخت ہو جائیں گی۔“

”تم اپنی موت کو اُدار دے رہے ہو۔“

”نہیں تو۔۔۔ میں نے صفدر کو پکارا تھا۔“ عمران اُگے بڑھتا ہوا بولا۔

”میں کہتا ہوں وہیں رک جاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔“

”یا بچپانے بھی دو پچھلے ٹیکسی نہیں لگتا“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔
 ”ویسے میں اتنا بتا دوں کہ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو ٹامی گن
 سے خود بخود درجنوں گولیاں ہمیں چاٹ جائیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو نا میرے ہاتھ
 میں ٹامی گن ہے۔“

”کیس ایسا ہو کہ واقعی اسکے ملازم گولیاں چلاتی شروع کر دیں۔
 یہاں کہیں پوزیشن لینے کی بھی جگہ نہیں ہے۔“ جو دیا قریب آتے ہوئے بولی
 ”تو کیا تم بھی سمجھتی ہو کہ اس کے ماتحت مکان میں موجود ہیں“ عمران
 منہ کے اڑانے والے انداز میں بولا۔

”لیکن اسی مکان سے تو ابھی تا بڑ توڑ حملہ ہوا تھا۔ جیسے واقعی
 درجن بھر انسان گولیاں چلا رہے ہوں۔“ ہنسنے لگا۔
 ”اس کے باوجود یہ مکان میں تنہا ہی تھا۔ اور اس کی وجہ یہ
 ہے کہ اس نے مکان کے ارد گرد ایک درجن ریوالتھب کر دیے
 ہیں تمام ریوالتھب کے ٹریگر ایک تار سے منسلک ہیں، اس طرح صرف
 ایک تار ہلانے پر درجن بھر ریوالتھب کا رخ علیحدہ علیحدہ ہے چاروں
 طرف گولیوں کی یلغار کر دیتے ہیں!“

”آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے خود آپ ہی چلاتے ہوں۔“
 ”صرف یہی نہیں بلکہ ریوالتھب میں میگزین خود بخود بھرتا رہتا
 ہے۔“ آٹو میٹک سسٹم ہے نا۔“ عمران نے کہا۔

ایمانک عمران بات کرتے کرتے چونک پڑا۔ پھر سب کو ہی آسمان

کی طرف منہ کرتا بیڑا۔ جہاں بے شمار جہاز منڈلا رہے تھے۔

”ہیٹ جاؤ۔“ عمران چیخا۔ اور بیڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ کھسکتے ہوئے یوزریشن لینے کی کوشش کر رہا، وہ پھر چیخا اور تیزی سے اوٹ لے لی۔ اس کے پیچھے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اس وقت انہیں اس بات کا بھی ہوش نہیں تھا کہ مکان سے نکلنے والا شخص جو ابھی چند منٹ پہلے ان کا شکار تھا ہوا تھا اب غائب ہو چکا تھا۔

آسمان سے برابر گولیاں برس رہی تھیں۔ بس قسمت ہی اچھی تھی کہ ابھی تک کسی کی چیخ نہیں ابھری تھی۔ انہوں نے یوزریشن لینے میں بیڑی عملیت سے کام لیا تھا۔

دفعۃً سب کو عمران کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا: ”تم سب اپنے ایک ایک ٹین نوٹر کنکال لو اور انہیں مٹھی میں دبا کر صرف دو سیکنڈ منہ سے گرمائی دے کر سامنے والے مکان پر دے مارو۔ مگر ٹھہرو۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرو کہ منہ سے گرمائی دینے میں دو سیکنڈ سے زیادہ نہ لگیں ورنہ خود تمہارے پرچھے اڑ جائیں گے۔“ سب نے پہلا ایم ہندو نے پھینکا۔ اس کے بعد سب نے ہی اس کی تقلید کی۔ کچھ ہی دیر میں وہاں مکان کی جگہ دھواں اور شعلے دکھائی دینے لگے۔

”وہ یقیناً ختم ہو گیا ہو گا۔“ عمران کی آواز سنائی دی۔ مگر کسی نے پوچھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ کون ختم ہو گیا ہو گا۔ ان سب کے

”دہن آسمان سے برسنے والی گولیوں سے اچھے ہوئے تھے۔“

”ان کا کیا کیا چلے عمران صاحب!،“ مندرے بلند آواز میں پوچھا
”ابھی یہ سب ہمیں تلاش کرنے کے لئے جہاز کی بلندی کم کرنے کے
سطحی رفتار پر لے آئیں گے۔“

”بھڑ۔ ۹۔“

”پھر کیا تمہارا سر!،“ عمران بولا۔ ارے کیا ہم اپنے بموں اور
ٹماہی گنوں سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یاد رکھو جہازوں کے پرچے
اڑانے ہیں۔“

پھر وہی ہوا۔ جہاز آہستہ آہستہ نیچے آنے لگے۔ پھر وہ بہت
کم بلندی پر اس طرح پرواز کرنے لگے جیسے وہ ان کی تلاش میں ہوں۔ ان
کی تعداد چار تھی۔

عمران اور اس کے ساتھیوں نے کئی ٹرن کر تیار کر رکھے تھے۔
”مارو۔“ عمران یک بیک جیتا۔

”ایک ساتھ بے شمار بم فضا میں بلند ہوئے۔ اور دھماکوں سے
فضا لرز گئی۔“

”مارتے رہو۔ عمران کی آواز دھماکوں میں بھی صاف ابھری۔
چاروں طرف دھواں پھیل گیا تھا۔ شبابید سب جہاز مار گرائے
گئے تھے۔ مگر پھر بھی کسی کا یہ حال تھا کہ دیوانگی میں وہ ٹرن توڑ کر فضا
میں مار رہے تھے۔“

دوسری صبح بڑی ہنگامہ خیز رہی، مگر دوسری ہی صبح کہاں وہ لوگ تو کئی روز تک مصروف رہے تھے۔ جہاز تباہے والوں میں سے چیف انجینئر کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ وہی اس ٹکیس کا سرغنہ تھا۔ اس نے اقرار کر لیا تھا کہ وہ دشمن ملک کے لئے کام کر رہا تھا۔ ایکسٹو کے ماتحتوں کو ایکسٹو کی طرف سے شاباشی ملی تھی۔ اگرچہ سب جانتے تھے کہ اس مہم میں عمران کے علاوہ اور کسی نے کام نہیں کیا تھا۔

یہ سب کچھ ہوا۔ مگر ہقدر عمران کے کان میں کہہ رہا تھا کہ اس منظم سازش کا نتیجہ کس طرح چلا۔۔۔ نہ پہلے سے کوئی سرگرمی تھی نہ ہی نفیث! اچانک ایسا نتیجہ چلا کہ اللہ دین کے دیوٹے آکر خبر دی ہو کہ جاؤ فلاں جگہ سازش ہو رہی ہے اسے پکڑو۔

عمران نے پھر اسے بتایا کہ یہ سارا قصہ ان کتوں سے شروع ہوا تھا جو اس کی طرف لپکتے تھے۔ عمران کی جستجو سے جب مجتہد کو پکڑا گیا پھر اس کے حملہ کو اس پر آڑا کر کے ذریعہ ختم کر دیا گیا تو فطری طور پر اصل مجرم لوگھلا گیا۔ اور کھل کر سامنے آنے کے بجائے اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہو گئی ہے کہ سارے دروازے کھلنے چلے گئے۔

دراصل ملک میں کافی عرصہ سے دشمن ملک کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ہم اسے سلیم کو کوڑے کر گٹھ کے حساب سے خرید کر وہ اپنا ذخیرہ بھر رہا تھا۔ پھر جب اس نے جہاز کے متعلق اسے علم ہوا تو اس کی جستجو بھی شروع کر دی۔ پھر میں اس دشمن ملک کے کئی ماتحت ہیں۔ جو بڑا ہزنیک نام مگر اندرونی طور پر مکہ وہ ہیں۔ میر تقی علی جوڑی محمد طیب اس کا آلہ کار تھا۔ عیاشی اس کی فطرت تھی۔ اسی وجہ سے اسے بلیک میلنگ کر کے اپنے لئے ہموار کیا گیا۔ یہ بالکل ایک اتفاق ہے کہ میر تقی علی کی اکلوتی بیٹی سلطانہ بھی اسی سادات میں ملوث تھی۔ سلطانہ بڑی حبس زدہ لڑکی تھی اور اس کا تعلق چیف انجنیر سے تھا۔ ایک طرح سے وہ اس کی داشتہ بھی کہی جاسکتی ہے اور شریک کار بھی۔ جب تجھ پر کنوں کا حملہ ہوا تو اس وقت وہ سڑک پر اتفاق سے کھڑی ہوئی تھی۔ شاید اسے میری کوئی حرکت پسند آگئی ہو اور نادانستگی میں تجھ سے ملنے چلیٹ آگئی ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ ایک حبس زدہ لڑکی ہے۔ اس لئے یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ تجھ سے دوستی بڑھا کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتی ہوگی۔ دوسری طرف چیف انجنیر جو درپردہ تجھ پر کنوں کے حملے کو راہ ہوا تھا، اسے سلطانہ کی تجھ سے ملاقات کا علم ہوا تو وہ بھڑک اٹھا ہو سکتا ہے۔ رعایتاً اثر انداز ہوئی ہو۔ بہر حال پھر اس نے انتقاماً ایک ایسی حرکت کی کہ وہی اسکے لئے، بریادی کا باعث بن گئی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میر تقی علی عیاش طبع انسان تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کی خرداک

محض کچھ دنوں چیف انجنیر نے خود اس کو دعوت دی اور ایک نئی لڑکی
 پیش کر دی قاسم نے خوشی قبول کر لی۔ مگر صبح اٹھ کر اسے معلوم کہ وہ
 خود اپنی لڑکی کے ساتھ سو رہا تھا۔ سلطانی اس وقت تک بیہوشی کے
 عالم میں تھی۔ میر قاسم علی بھاگ گیا۔ سلطانی کو تنبہ کرنے کی خاطر
 چیف انجنیر نے اسے وہ فلم دکھانی جو میر قاسم علی اور سلطانی کے
 متعلق تھی۔ پھر اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ کارروائی محض انتقام کی
 گئی ہے۔ سلطانی لاکھ جنس زدہ عورت سی مگر عورت تھی۔ اس انتقام
 کا بدلہ اس نے چیف انجنیر سے یہ لیا کہ تمام حالات، مقامات اور
 دشمن کے ارادوں سے بچھے آگاہ کر دیا۔ بس اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ
 تم بھی جانتے ہو۔“

”مگر۔“ صفدر بولا۔ ”یہ کتوں سے آپ پر حملہ کرانے کا کیا مقصد
 تھا اگر ختم کرنا مقصود تھا تو کیا ریوالور کا استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا؟“
 ”اب اسے کیا کہو گے کہ لوگ خواہ مخواہ مجھ سے خوفزدہ رہتے ہیں۔“
 عمران مسکرایا۔ ”اب یہی دیکھ لو۔ ڈیڑھ سیلی کا یس انسان یقیناً ایک
 گولی میں جیت ہو جاتا ہے۔ مگر کم جنوں نے کتوں سے ہی ریس لگوا دی۔“
 ”تو کیا وہ آپ کو جانتا تھا۔“

”اگر نہ جانتا تو خوفزدگی کو کس خانے میں قسٹ کر دے۔“
 صفدر خاموش ہو گیا۔ اور عمران نے یہیں پر جوتے کی نوک سے
 کھیلنے لگا۔

”ایک بات اور۔“ مندر چونک کر بولا ”میر قاسم علی کہاں ہے!“
 ”اس نے خود کشی کر لی ہے۔ لاش بھی مل چکی ہے۔“
 ”اور سلطانیہ۔!“

”اے کیا میں نے سب کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اپنے چوہے سے
 پوچھو نا۔! اور ہاں تم نے یہ نہیں معلوم کیا کہ ہم لوگوں کی گرفتاری تک
 تو جہاز کا پائلٹ ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے بعد کہاں غائب ہو گیا تھا!
 ”اوہ۔“ مندر کے ہونٹ دائرے کی صورت میں سکڑ گئے۔
 ”میرا خیال ہے وہی ایکسٹ تھا ورنہ بعد میں کہاں غائب ہو جاتا
 کیوں۔؟“

”غلط!،“ مندر نے نفی میں سر ہلایا۔ ”پائلٹ کے بھیس میں
 اگر ایکسٹ ہوتا تو اس قید خانے میں آپ اس بری طرح نہیں چھتے۔
 آپ پر تو ایک قسم کا دورہ سا پڑا تھا۔
 عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مندر بہت زیادہ
 ذہین ہوتا جا رہا ہے۔!“

ختم شد

سینہ، سب سے پیشہ اور ایڈونچر کو تو دنیا
سیکریٹ سروس کے آئندہ ناول

نائٹس کلب

ڈیٹھ کمپوزر

پچھانے بردار

کپٹن پرہیز کے یہ ناول آپ نے نہیں پڑھے تو یاد رکھیے آپ چند اچھے ناول پڑھنے سے محروم رہ جائیں
گے۔ ایکشن اور سسپنس کے شیدا یوں کے لئے نئے تحفے۔ آج ہی طلب کیجئے۔
تمہارے خط و کتابت وارڈر بھیجنے کا پتہ

ایوب ایکڑمی پوسٹ بکس نمبر ۲۶۳۳ بیاقت آباد کراچی نمبر ۱۹
